Policy Number 270

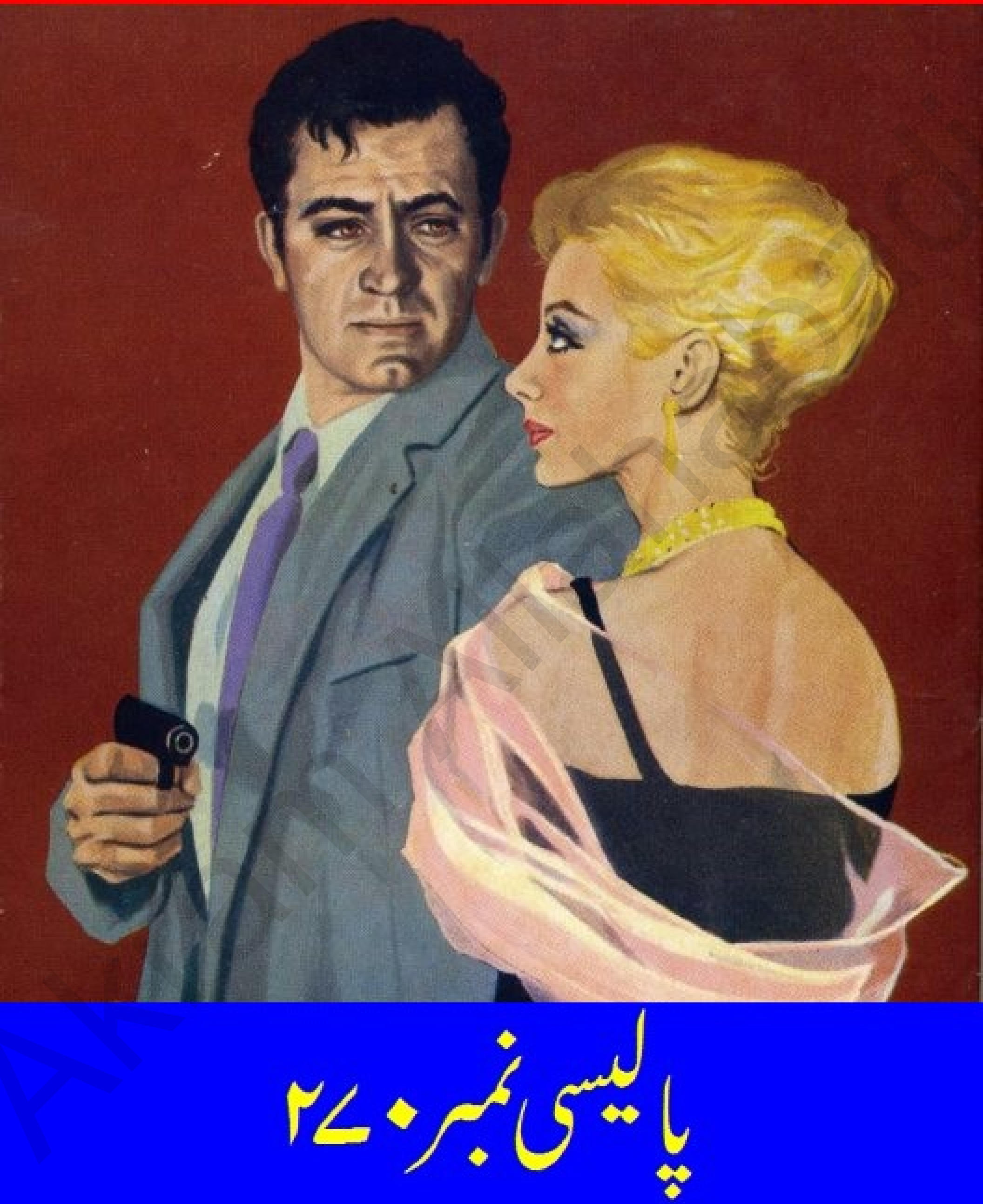

پالیسی نمبر ۲۷۰

Akram Allahabadi

جاسوسی دائرہ سیریز

پالیسی نمبر ۲۷

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں ۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے ۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی ۔

Akram Allahabadi

پرنٹر:۔۔۔۔ممبئی ۔انڈیا

جناب حضور احمد خان (سابق سپرنٹنڈنٹ پولیس، بمبئی)
کے نام جو اب ہندوستان کی بجائے انگلینڈ میں مقیم ہیں۔
اکرم الہ آبادی۔

Akram Allahabadi

پالیسی نمبر ۲۷۰A

"صاحب ہیں؟" ایک قد آور اجنبی نے، جو قیمتی گرم سوٹ میں ملبوس تھا، سپرنٹنڈنٹ خان کے آفس کے دروازے پر کھڑے ہوئے چپڑاسی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" وہ اسے سر سے پیر تک دیکھ کر مؤدب لہجے میں بولا۔

جس کے جواب میں اجنبی نے جیب سے ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر چپڑاسی کو تھما دیا۔ وہ کوئی جواب دیے بغیر اندر چلا گیا اور ایک منٹ بعد ہی واپس آ گیا۔

"تشریف لے جایئے۔"

وہ جب اندر داخل ہوا تو خان کاغذات کا ڈھیر سامنے رکھے کسی کیس کا مطالعہ کر رہا تھا۔ وہ کافی تھکا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ پھر بھی مصروفیت کا یہ عالم تھا کہ میز پر رکھی ہوئی چائے سرد ہو کر بھی اس کی توجہ حاصل نہ کر سکی تھی۔

"فرمایئے۔" خان نے اسے سامنے کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ شاید وہ ایک دوسرے کے لیے قطعی اجنبی تھے۔

"میں نیو انڈیا انشورنس کمپنی کا مینجنگ ڈائرکٹر ہوں۔ میرا نام یشپال چودھری ہے۔"

"خوب۔" خان نے مسکرا کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ "ویسے یہ تو میں کارڈ پر بھی پڑھ چکا ہوں۔"

"میں آپ کو ایک خاص قسم کی تکلیف دینے حاضر ہوا ہوں۔ جس کی اہمیت اسی سے سمجھ لیجیے کہ مجھے خود آنا پڑا ہے۔" یشپال نے سلسلۂ گفتگو چھیڑتے ہوئے کہا۔

"یہ اندازہ میں پہلے ہی قائم کر چکا تھا۔" خان اپنے کاغذات ایک طرف رکھتے ہوئے مسکرایا۔

Akram Allahabadi

"ہمارا ایک پالیسی نمبر A۲۷۰ کا کیس ہے۔"

"کوئی فرضی موت ہوگی۔" خان بیچ میں بول پڑا۔

"جی نہیں۔ موت واقع ہوئی تھی اور لاش کا پوسٹ مارٹم بھی ہوا تھا۔"

"تو پھر؟" خان نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"مرنے والی ایک ۲۵ سالہ نوجوان خاتون تھی۔ جس نے اپنا پانچ لاکھ کا بیمہ کرایا تھا۔"

"پانچ لاکھ کا؟ یعنی زبردست معاملہ ہے۔ ویسے کیسے اور کتنے پریمیم بھرے تھے اس نے؟" خان نے پوچھا۔

"بیمہ ۲۰ برس کا تھا۔ کیوں کہ وہ کافی صحت مند اور ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق ۶۰۔۷۰ سال تک جی سکنے والی عورت تھی۔ اب تک وہ گیارہ سہ ماہی پریمیم بھر چکی تھی۔" پیشپال نے بتایا۔

"یعنی پونے تین سال۔"

"جی..."

"تو پھر مسئلہ کیا ہے؟"

"اس کی موت اچانک واقع ہوئی ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق اس کا ہارٹ فیل ہوا ہے۔ لیکن ہمارے ڈاکٹر کا خیال ہے کہ موت سے ایک ہفتے قبل تک اس کے جسمانی نظام میں کوئی معمولی سی بھی خرابی واقع نہیں ہوئی تھی۔"

"تو کوئی اچانک صدمہ پہونچا ہو یا کوئی بہت بری خوشی ہوئی ہو شاید جسے وہ برداشت نہ کر سکی ہو۔"

"اس کے واقف کاروں اور نوکروں تک کے بیانات ہمارے انسپکٹر نے لیے ہیں۔ لیکن اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی۔"

Akram Allahabadi

"اب آپ آخر مجھ سے چاہتے کیا ہیں؟"

"ہمیں شک ہے کہ اس کی موت قدرتی طور پر نہیں ہوئی ہے۔"

"اور آپ کے اس شک کے لیے پولیس ڈپارٹمنٹ کا بہت سا وقت اور محنت برباد ہونے پر بھی اگر نتیجہ صفر رہا تو؟"

"میں اسی لیے صرف آپ کے پاس آیا ہوں۔ کیوں کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کا مشورہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ پالیسی کی ادائے گی کے مطابق ہمیں اس کیس میں مرنے والی کے شوہر کو ۱۴ لاکھ ۲۷ ہزار روپے اپنی طرف سے فاضل بھرنے پڑیں گے۔ لیکن آپ اگر کسی بھی قیمت پر اس معاملے کو ہاتھ میں لے لیں تو میں اس شک کے غلط ہونے پر پولیس کو پورا ہرجانہ بھرنے کو تیار ہوں۔"

"وہ عورت کون ہے؟"

"مسز یادگیر۔ شاید آپ مسز یادگیر سے واقف ہی ہوں۔"

"مسز یادگیر!" خان بڑبڑایا۔ "وہی جو کلب اور ریس وغیرہ کی بہت شوقین تھی۔" خان کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"جی۔" پیشپال نے مختصر سا جواب دیا۔

"مسز یادگیر، مسٹر یادگیر۔" خان زیرلب بڑبڑایا۔

"اوہ! یہ وہی آدمی ہے نا جو کسی فلام کمپنی کا مالک ہے۔"

"جی ہاں۔ اس کی کمپنی کا نام، یادگیر فلمز ہے، جو کچھ عرصے سے بند پڑی ہے۔" پیشپال نے بتایا۔

"میں جانتا ہوں۔ وہ کوئی کامیاب پروڈیوسر نہیں ہے، خیر۔" یہ کہہ کر وہ پھر سوچنے لگا۔

"دیکھیے، میں آپ کی تسلی کی خاطر ذاتی طور پر اس کی تحقیق کیے دیتا ہوں، لیکن میں

Akram Allahabadi

جیسا کہوں آپ کو ویسا ہی کرنا پڑے گا۔"

"میں ہر طرح تیار ہوں۔"

"اچھا تو اب آپ اطمینان سے تشریف لے جاسکتے ہیں۔ میں اس سلسلے میں بہت جلد آپ سے پھر ملوں گا۔" خان نے ییشپال کو اطمینان دلایا۔

"بہت بہت شکریہ، آپ کا۔ آپ کے اس وعدے سے میرے سر کا ایک بہت بڑا بوجھ مل گیا۔ ورنہ میری پوزیشن اس معاملے میں بہت نازک ہوگئی تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔ مجھ سے جو ہو سکا وہ میں آپ کے لیے کروں گا۔" خان نے اسے یقین دلایا اور ییشپال چہرے پر پرامید تاثرات لیے خان سے مصافحہ کر کے باہر نکل گیا۔ بالے سے شاید اس کی مڈبھیڑ دروازے پر ہی ہوگئی ہو، کیوں کہ وہ اس کے جاتے ہی اندر آن پہنچا۔

"آپ کی تعریف؟" وہ سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اوہ!" خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں ان شاندار بھائی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو ابھی باہر تشریف لے گئے ہیں۔" بالے نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کوئی بیچے ویے کا لفوا ہے۔" خان نے پھر اپنے کاغذات پر نظریں جماتے ہوئے ٹھیٹھ بمبئی کی زبان میں کہا۔

بالے ایک ٹانگ لمبی کر کے پتلون کی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے بولا۔ "کسی یوپی والے کے منھ سے یہ بے سر پیر کا لفظ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے منھ سے، وبجرا کا بٹو نہ۔"

"میں نے تمھیں زبانوں پر ریسرچ کرنے کے لیے تو نہیں بلایا ہے یہاں۔" خان نے قلم روک کر اس کی طرف دیکھا۔

Akram Allahabadi

"کاش آپ نے ان خوبصورت الفاظ کے معنی ہی پوچھے ہوتے۔" بالے نے سگریٹ سلگا کر ٹھنڈی سانس بھری۔

"فرمایئے۔" خان نے کام چھوڑ کر اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں پر ٹیک لیا اور بالے کی شکل دیکھنے لگا۔

"یعنی، ہیجڑے کی اولاد۔ مگر ذرا آپ ہی بتایئے، کہ اگر اس تیسری جنس کی اولاد ہو سکتی..."

"بکومت، الو۔ کوئی اور کام بھی ہے تمھیں۔" خان نے اس کی بات کاٹ دی۔ مگر وہ اپنی مسکراہٹ نہ روک سکا۔

"کچھ بھی ہو جائے، میں آج آپ سے اس تیسری جنس کے بارے میں بحث کر کے ہی رہوں گا۔ آپ ماہر جنسیات بھی تو ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ آخر قدرت نے روئے زمین پر اس ٹیکنی کلر جنس کو کس غرض و غایت کی تکمیل کے لیے پیدا کیا ہے۔"

"تم دفع ہو جاؤ، سور، نہیں تو پیپر ویٹ کھینچ ماروں گا۔ میرے پاس بہت کام ہے۔"

خان نے شیشے کا وزنی پیپر ویٹ ہاتھ میں اٹھا لیا۔

"میں اپنی بحث واپس لیتا ہوں۔" بالے نے پھر پیشاپال کے بارے میں سوال کیا۔

"ارے بھئی ۵ لاکھ کے بیمے والی ایک محترمہ کی موت ہو گئی ہے۔ اس لیے ان کی کمپنی کو ۴ لاکھ ۲۷ ہزار اپنی جیب سے بھرنے پڑ رہے ہیں۔" خان نے بتایا۔

"اور خود جو سینکڑوں کو ہضم کر جاتے ہیں۔" بالے بول پڑا۔

"خیر ہمیں اس سے کیا واسطہ۔ مگر انھیں شک ہے کہ اس عوت کی موت قدرتی نہیں ہوئی بلکہ اسے بیمے کی رقم حاصل کرنے کے لیے اس طریقہ سے مارا گیا ہے کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اسے ہارٹ فیل کے ذریعے ہونے والی موت ہی ثابت کر سکی۔" خان نے بتایا۔

"انھیں شک اس لیے ہوگا کہ اتنی بڑی رقم گانٹھ سے جا رہی ہے۔ یہ تو سالے

Akram Allahabadi

نکالیں گے ہی مین میخ ۔"

"مگر میں نے اس سے وعدہ کرلیا ہے کہ موقع ملا تو اس کے اطمینان کے لیے اس کی خفیہ تحقیق بھی کروں گا۔"

"امید ہے کہ خاکسار کو حضور اس تکلیف سے معاف ہی رکھیں گے۔" بالے پہلے ہی اپنا پیچھا چھڑانا چاہا۔

"مگر میں یہ چھوٹا سا کام تمہارے ہی سپرد کرنا چاہتا ہوں۔" خان مسکرا کر بولا۔

"م... میرے... اور، یہ چھوٹا سا کام ہے؟ جس کا سر نہ پیر۔ اب میاں میں اس عورت سے اس کی قبر میں پوچھنے جاؤں گا کہ اس کی موت کیسے واقع ہوئی ہے۔"

"میں اتنی بھی دلچسپی نہ لیتا۔ لیکن مرنے والی مسز یادگیر تھی۔ اور مسٹر یادگیر کا کیریکٹر پہلے سے میری نظر میں مشکوک رہا ہے۔ تمہیں یاد ہوگا ایک بار وہ کسی مارواڑی کے کچھ ہزار روپے اسے دھوکا دے کر ہضم کر چکا ہے۔" خان نے بتایا۔

"تو کیا آپ کا خیال ہے کہ اس نے بیوی کا ۵ لاکھ کا بیمہ ہی اسی لیے کرایا ہوگا کہ بعد میں اسے مار کر پانچ لاکھ انشورنس کمپنی سے وصول کرلے۔"

"بدکردار آدمیوں سے کچھ مشکل نہیں۔ ویسے ہم بغیر کسی تحقیق کے اس پر ایسا الزام بھی نہیں رکھ سکتے۔ ہوسکتا ہے کہ مسٹر پیشپال کا شبہ ہی غلط نکلے۔" خان نے بتایا۔

"جو لاش پوسٹ مارٹم کے بعد قبر میں بھی پہونچ چکی۔ بلکہ شاید گل سڑ بھی گئی ہو، اس کے لیے آخر سر مارنے سے فائدہ؟"

"قتل کے بعض واقعات اپنے وقوع کے وقت کے کئی سال بعد بھی کھلتے ہیں۔ تم چاہو تو ان لوگوں میں گھس کر کچھ معلومات حاصل کر سکتے ہو۔"

"میں چاہوں تو، اور اگر نہ چاہوں تو؟"

"تو پھر میں آپ کی خدمت میں ایک لذیذ سا گھونسہ پیش کروں گا۔"

Akram Allahabadi

"لذیذ سا موسہ... مگر میرا پیٹ خدا کے فضل سے بھرا ہوا ہے۔ابھی آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں۔"

"تم کل ہی یہ کام شروع کردو۔" خان نے سنجیدگی سے کہا۔

"یعنی کہ صرف میں؟"

"ہاں۔ میں یہ کیس، جو کیس ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی، تمہارے ہی چارج میں دیتا ہوں۔ ضرورت پڑنے پر رؤف، ابراہیم یا اسرار سے مدد لے لینا۔"

"اور اگر کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔"

"تو پھر میں تمہارے سارے نقصان کی کسر نکلوادوں گا۔"

"رخصت کتنے دن کی ملے گی؟ سرِ دست تو ہمیں یہ کام نجی طور پر ہی کرنا ہوگا نا۔"

"نہیں۔ میں سرکاری طور پر اس رپورٹ پر اسی شرط پر کاروائی کر رہا ہوں کہ اس کے ذمہ دار مسٹر یشپال ہوں گے اور اگر پولیس کی محنت رائگاں گئی تو انھیں اس کا ہرجانہ بھرنا پڑے گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کوئی بھی ہماری خدمت ادھار لے سکتا ہے۔"

"بھئی، اس قسم کے معاملات کے لیے تھوڑی سی ایسی رعایت رکھی گئی ہے۔"

"خدا اس بیمہ کمپنی کا بیڑا غرق کرے۔کیا مصیبت کھڑی کی ہے بیٹھے بٹھائے۔"

"انگلیاں توڑ کر کوستے تو شاید کچھ اثر ہوتا۔"

"لاحول ولاقوۃ، میں کیا کوس رہا ہوں؟"

"خیر، فضول باتیں کر کے میرا وقت خراب مت کرو۔یہ لو مسٹر یشپال کی درخواست اور کیس کی تفصیل۔اور جس طرح چاہو کام کرو۔لیکن معاملات اگر واقعی پر اسرار اور پیچیدہ نکلیں تو مجھے فوراً آگاہ کردینا۔"

خان نے یشپال کی پیش کردہ رپورٹ اور درخواست اس کی طرف بڑھا دی۔جس

پر اس نے بالے کے نام اس کیس کا چارج منتقل کر دیا تھا۔

''آپ مجھ سے کچھ اکتا گئے ہیں شاید۔'' بالے کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کاغذات لے کر کھڑا ہو گیا۔

''تم تو احمقوں جیسی باتیں کیوں کرنے لگے ہو۔ میں کیا کسی پکنک پر جا رہا ہوں جو تمھیں ساتھ نہیں لے جا رہا ہوں۔ ابھی تو میرے سر خود اتنا کام ہے کہ ہفتے دو ہفتے سر اٹھانے کی فرصت نہ ملے گی۔'' خان نے بھی اتنی ہی سنجیدگی سے جواب دیا۔ اور پھر میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ انڈی پینڈنٹ کیس ہینڈل کرو تاکہ تم میں اور زیادہ خود اعتمادی پیدا ہو۔''

''لیکن کوئی کیس بھی ہوتا۔ یہ تو انشورنس والوں کا خلل دماغ معلوم ہوتا ہے۔'' بالے نے احتجاجاً کہا۔

''ایسا ہونا کچھ ناممکن بھی تو نہیں ہے۔ اور اگر یہ کوئی سازش ہوئی تو ہمیں یقیناً اس کی چندھیا بکھیرنی پڑیں گی تاکہ آئندہ پھر کوئی دولت کی لالچ میں کسی کا اس طرح خون نہ بہا سکے۔'' خان نے اسے سمجھایا۔

''بہتر ہے۔ بندہ روانہ ہوتا ہے اس سفر بے نشان پر۔'' بالے برا سا منھ بنا کر بولا۔

''اب کیا میں اٹھ کر تمھارے بازو پر امام ضامن باندھوں۔'' خان جھنجھلا گیا۔

''جاتا ہوں، جاتا ہوں۔'' وہ پیچھے کھسک کر بولا۔ ''او۔ کے۔ باس۔'' اور پھر ایڑیاں بجا کر وہ باہر نکل گیا۔ خان مسکراتا ہوا پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

امیدوار

بمبئی میں لاکھوں تقدیروں کا چکر چلانے والے مہالکشمی کے ریس کورس کے میدان کے سامنے بدبو والی گٹر اور اس سے ملی ہوئی سڑک کے اس پار ایک قد آدم احاطے کی دیوار کے اندر شیراز کا بنوایا ہوا فلم سازوں کا مشہور یتیم خانہ فینس اپنا سر اٹھائے آسمان سے ریس کے گھوڑوں کے نمبر مانگ رہا تھا۔ شیراز کے ہاتھوں سیٹھ جگ موہن رونگٹے کی تقدیر میں منتقل ہونے والی یہ جاگیر دنیا کے دوسرے درجے کی سب سے بڑی صنعت کا سب سے بڑا چکر چلاتی تھی۔ اس میں کم و بیش ۲۵۰ کبوتر خانے تھے۔ اور ان میں سے ہر کبوتر خانے میں ایک فلم کمپنی کا دفتر تھا۔ فلم کمپنی جسے باہر کے لوگ کوئی مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی عمارت کا نام ہی سمجھتے ہوں گے۔ کیوں کہ وہ ایک فلم میں شان دار محل، بنگلے، سڑکیں، باغات، موٹریں اور نہ جانے کیا کیا دیکھ کر اس کے بنانے والوں کے بھی "چراغ الہ دین" کے دیو سے کم نہ سمجھتے ہوں گے۔ مگر دریا کو کوزے میں بند کرنے والی وہی فلم کمپنی یہاں خود ایک کبوتر خانے میں پرورش پاتی تھی۔ وہ کبوتر انڈے سے تو پیدا نہیں ہوتی تھی۔ کیوں کہ اس کی پیدائش ایک چاندی کے انڈے سے مقرر کی گئی تھی۔ لیکن کسی دور کی دنیا سے اگر کوئی اس بار میں لمبے چوڑے خواب دیکھتا آتا تو ان ایک کمرے والے فلم کمپنیوں کے...کو جنھیں اندر سے دو دو تین تین پارٹیشن ڈال کر کسی ٹرین کے فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ کے غسل خانے کے برابر کے دو تین ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا تھا، دیکھنے سے اسے اپنا لمبے چوڑے آنگن اور بڑے بڑے کمروں والا گھریا آجاتا! جو اس ڈربے سے بہر صورت بہت بڑا رہا ہوگا۔ مگر ان ڈربوں میں بھی بہت سے تو چاندی کے ڈربے تھے۔ اور بہت سے ملمع کیے ہوئے ٹین کے۔ دھندا سب کا ہی چلتا تھا۔ کھرا کھوٹا، اونچا نیچا، بزنس، چار سو بیس، ایمان داری، اصول پسندی اور بے اصولی۔ سب کچھ موجود تھا یہاں۔ فینس جو لاکھوں کے

Akram Allahabadi

پیٹ پالتا تھا، جو فلمی یتیموں کا ایشیا کا سب بڑا یتیم خانہ تھا۔

دو اجنبی جن میں سے ایک راج کپور ہیئر کے فوٹو پرنٹ والا رنگین بش شرٹ پہنے ہوئے اوسط قدو قامت کا کھلے رنگ کا نوجوان آدمی تھا اور دوسرا ایک بڑی بڑی مونچھوں والا ایک چشمی گرانڈیل شیروانی باز۔ فینس کے دروازے پر جب نواردوں کی طرح چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے دونوں پہونچے تو پٹھان دربان نے انھیں ٹوک دیا۔

"خوچہ کس کو مانگتا، بھائی۔" اس نے پوچھا۔

"سکریٹری۔" نوجوان نے پلٹ کر اپنے کانے ساتھی کی طرف دیکھا۔

"جی، چھوٹے سرکار۔" کانا مؤدب لہجے میں بولا۔

"آپ سے ملیے۔ آپ کیا پوچھ رہے ہیں۔" اس نے دربان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ارے تم نہیں جانتے ہمارے چھوٹے سرکار کو۔" کانے نے دربان کے قریب ہو کر کہا۔

"اونہونہہ، چھوٹے سرکار نہیں، ہیرو آف ۱۹۵۶ء..." نوجوان نے برا سا منھ بنا کر کہا۔

"ہاں، ہاں، سرکار وہی تو کہہ رہا ہوں۔ ہاں تو پٹھان صاحب، یہ فلم کمپنی سے ملنے آئے ہیں۔"

"وہ فلم کمپنی سے۔ ویسے برادر کون سا فلم کمپنی۔ اس عجائب خانے میں تو بہت سا فلم کمپنی ہے۔" پٹھان نے تفصیل دریافت کرنی چاہی۔

"وہ...وہ کیا نام ہے اس کا..." کانا سکریٹری سوچنے لگا۔

"یوں یوں پکچرز۔" نوجوان بیچ میں بول پڑا۔

"اوہ کیا پکچر۔" پ

Akram Allahabadi

پٹھان نے خود تصیح کر دی۔ "اچھا اچھا... جاؤ، برادر جاؤ۔" پٹھان نے اجازت دے دی۔ اور وہ دونوں فینس کے احاطے میں داخل ہو کر نصف دائرے کی شکل کے پورٹیکو سے ہوتے ہوئے اندر چلے گئے۔ یہیں انکوائری آفس کے سامنے ہی اوپر جانے کے لیے زینہ بھی تھا اور زینے کے پاس ہی لفٹ تھی۔ عمارت کے گراؤنڈ فلور پر لیبارٹری اور اسٹوڈیوز تھے اور اوپر پہلی دوسری اور تیسری منزل پر فلم کمپنیوں کے دفاتر اور کینٹین وغیرہ۔

"سرکار، آپ لفٹ سے چلیں گے یا سیڑھیوں سے؟" کانے سکریٹری نے نوجوان سے پوچھا۔

"لفٹ سے؟ یعنی کہ تم ہمیں اپنے کاندھے پر اٹھا کر لے چلو گے سب کے سامنے؟ ... بے وقوف۔" نوجوان اسے گھورنے لگا۔

"جی نہیں۔ میں اس بجلی کی لفٹ کا ذکر کر رہا ہوں۔ اور وہ اوپر نیچے جاتی آتی ہے۔ میں نے ایسی ہی ایک بار ہزاری بنگلے کے سول گوڈاؤن میں دیکھی تھی۔"

"چھی چھی۔ کس بدبودار مقام کا ذکر کیا ہے تم نے۔ عطر ہے؟... لاؤ میں سونگھ لوں۔"

"پہلے آپ لفٹ پر تشریف لے چلیے۔"

کانا اس کی رہنمائی کرتا ہوا اسے لفٹ تک لے گیا۔ یہ لفٹ صرف اسٹاف یا پھر فلم کمپنیوں کے کرتا دھرتا کے لیے تھی۔ اور انھیں بھی صرف اوپر لے کر چھوڑ دیتی، نیچے آنے کے لیے سب کو زینہ ہی استعمال کرنا پڑتا۔ لفٹ والا نوجوان، آدمی کو کوئی نیا ہیرو یا ڈائرکٹر، پروڈیوسر سمجھ کر کچھ نہ بولا۔ اس نے صرف "کونسی چھت" پوچھ لیا۔

"سب سے اونچی چھت پر پہونچا دو۔" نوجوان نے کانے کے بولنے سے پہلے ہی جواب دے دیا۔ لفٹ نے انھیں تیسری منزل پر چھوڑ دیا لیکن یہاں صرف گنتی کے دفاتر تھے۔ باہر نکلنے پر ادھر ادھر دیکھ کر جب وہ ایک طرف گھومے تو سامنے ہی شیخ مختار پروڈکشنز کے بورڈ نے انھیں چونکا دیا۔

Akram Allahabadi

"ارے، یہ تم دیو کی دنیا میں کہاں لے آئے مجھے۔" وہ کانے سے بولا۔

"دیو کی دنیا؟"

"دیکھتے نہیں کس کا نام لکھا ہے؟"

"لکھا ہونے دیجیے۔"

"تم نے جیک اینڈ دی بیم پلانٹ کی اسٹوری پڑھی ہے۔"

"ہم... بچپن میں پڑھی تھی۔"

"تو بس پھر اس لفٹ نے بیم پلانٹ کا کام کیا ہے اس وقت۔ یہ اسی دیو کا گھر ہے۔"

"یہاں کوئی کام نہیں اپنا۔ چلو نیچے چلیں۔" کانے نے کہا۔

"چلو نہیں، چلیے سرکار۔" نوجوان نے اسے عجیب سی نظروں سے گھور کر کہا۔

"اب دھونس جماؤ گے تو بھانڈا پھوڑ دوں گا سارا۔" کانے نے جواب دیا۔

"میں تمہاری مونچھوں کی شان میں گستاخی کر بیٹھوں گا۔" نوجوان بولا۔

"کوئی آ رہا ہے۔" کانا یہ کہتے ہوئے نیچے زینے کی طرف جھانکنے لگا۔

شاید کینٹین کا بیرا تھا جو چائے وغیرہ اوپر لے جا رہا تھا۔ وہ دونوں اسی زینے سے نیچے دوسری منزل پر اتر آئے۔ یہاں وہی عالم تھا۔ ہر پانچ قدم پر ایک ڈربا اور ہر ڈربے کے سامنے ٹہلتے ہوئے، اداکار بننے کے کچھ امیدوار، اس دنیا میں پہلی نظر دیکھنے سے یہ امتیاز مشکل تھا کہ کون کیا ہے۔ امیدواروں کے لیے چپراسی بھی پروڈیوسر سے کم نہ تھے اور بڑے اداکاروں کے لیے پروڈیوسر چپراسیوں سے زیادہ نہ تھے۔

"یہ کواترہ کیا سنگرہ کے بھائی وغیرہ وغیرہ ہیں۔" جو نوجوان آدمی نے کواترہ پکچرز کے دفتر کے سامنے سے گزرتے ہوئے بورڈ دیکھ کر کانے سے پوچھا۔

"فلم کمپنی کا نام ہے، سرکار۔" کانے نے بتایا۔

Akram Allahabadi

"پھر وہی، سرکار۔ ہیرو آف ۱۹۵۶ء کہو۔"

"آگے ایسا ہی کہوں گا۔" کانے نے تابعدارانہ لہجے میں کہا۔

"اتنے میں ایک منحنی سا آدمی ان کے قریب سے گزر گیا۔ اسے نئے امیدوار بڑی مسرت کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ کیکڑا کون ہے؟" نوجوان نے اپنے کانے سکریٹری سے پوچھا۔

"جانی واکر۔"

"ہم آدمی کا پوچھ رہے ہیں؟"

"اس کا فلمی نام ہے۔"

"ارے واہ! یہ بھی کوئی نام ہوا۔ جانی واکر۔"

"وفلمی دنیا میں کامیاب اداکار جو بھی نام رکھ لے چل پڑتا ہے۔"

"یہ خوب رہی۔ تو پھر ہم بھی تو ہونے والے کامیاب اداکار ہیں۔ مگر ہم اپنا ہندوستانی نام "ٹھمرا" رکھیں گے۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا اس کے ساتھ چلتا رہا۔ چلتے چلتے آخر ان کے قدم ایک جگہ رک گئے۔ اس دفتر کے بعد والے دفتر کے دروازے پر "یاد گیر فلمز" کا بورڈ لگا تھا۔ اور اس دروازے پر "آہاہا موویز" کا بورڈ لگا تھا۔

"آہاہا... ہاہا... اہی ہی ہی... اُہو ہو ہو..." وہ نوجوان اس بورڈ کو تکتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔

"سکریٹری۔" وہ جلدی سے بولا۔

"ہم کون؟"

"ہیرو آف ۱۹۵۶ء..."

"تو بس پہلے اس کمپنی میں امیدواری کریں گے۔" یہ کہہ کر وہ اس کے دروازے

میں گھسنے لگا۔

’’کیا چاہیے، صاحب۔‘‘ چپراسی نے اسے ٹوک دیا۔

’’ایک بوتل اسکاچ وسکی۔‘‘ وہ برا سا منھ بنا کر بولا۔

’’صاحب، یہ کمپنی کا دفتر ہے، شراب خانہ نہیں ہے۔‘‘

’’ہے ہے۔ تم کیا جانو، بھائی چپراسی... یہاں سے سارے ہندوستان کو شراب محبت تقسیم ہوتی ہے۔ کڑوی کڑوی، میٹھی میٹھی، جو کچی فلموں کو سڑا کر بنائی جاتی ہے۔‘‘ وہ چپراسی سے ہی الجھ پڑا۔

’’صاحب، ملنا کس کو ہے۔‘‘

’’پروڈیوسر سے۔‘‘ پیچھے سے کانا ساتھی بول پڑا۔

’’کیا کام ہے؟‘‘ چپراسی نے پھر پوچھا۔

جھک ماری ہے تھوڑی سی۔ تم کون ہو پوچھنے والے؟‘‘ نوجوان آدمی اس پر بگڑ گیا۔

’’بگڑیے نہیں، سرکار، یہ بے چارہ کیا جانے آپ کو۔‘‘ کانے سکریٹری نے جلدی سے دخل دے کر کہا اور ’’سرکار‘‘ کے لفظ سے چپراسی کچھ چونک کر ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ سمجھا کوئی بڑا آدمی ہے۔

’’جائیے، صاحب۔ پروڈیوسر صاحب اندر ہیں۔‘‘ وہ خود ہی دروازہ کھول کر کہنے لگا۔

’’سکریٹری۔‘‘ نوجوان بولا۔

’’جی سرکار۔‘‘

’’کار کو گولی مارو، صرف ’’سر‘‘ کہا کرو۔‘‘

’’بہتر ہے۔‘‘ کانے نے مؤدب ہو کر کہا۔

’’چپراسی صاحب کو ایک روپیہ بخشش دے دو۔ انھوں نے ہمیں پہچان لیا ہے۔‘‘ وہ

Akram Allahabadi

سکریٹری سے بولا۔

''ابھی لیجیے۔'' یہ کہہ کر کانے نے جیب سے ایک روپیہ نکالا اور چپراسی کی طرف بڑھاتے ہوئے سرگوشی لے لہجے میں بولا۔ ''بہت بڑے جاگیردار کے بیٹے ہیں۔ ہیرو بننے کی سنک یہاں کھینچ لائی ہے۔''

''ارے، آپ نے پہلے کیوں نہ بتایا یہ۔'' چپراسی حیرت سے اچھل کر بولا۔ اور پھر نوجوان آدمی کو سر سے پیر تک غور سے دیکھنے لگا۔

''حضور آپ، آہا! آپ تو دلیپ کمار کے بھی کان کاٹ سکتے ہیں۔ آہا! کیا باڈی ہے، ماشاءاللہ۔ اور فیس.. اسکرین فیس کا باپ ہے۔''

''حضور...'' وہ اسے بار بار دیکھ کر بڑبڑانے لگا۔

''کیا ہم دلیپ کمار سے اونچے جا سکتے ہیں؟'' نوجوان آدمی نے اپنا سینہ پھلا کر پوچھا۔

''ارے حضور تو دلیپ کمار سے دو چار رفٹ اونچے جا سکتے ہیں۔ دلیپ کی ہستی کیا ہے، حضور کے سامنے۔'' چپراسی نے پولسن کا ڈبہ کھول دیا۔

''تو ہم ہیرو بن سکتے ہیں نا؟''

''آپ تو آپ، آپ کے باپ ...آئی ایم ساری۔'' وہ اپنا منہ پکڑ کر بولا۔ ''ہیرو کے باپ بن سکتے ہیں۔''

''نان سینس۔ ہم ہیرو کے باپ بننے نہیں، ہیرو بننے آئے ہیں۔'' نوجوان آدمی نے جھنجھلا کر کہا۔

''ایک بات کہوں، حضور۔'' چپراسی خوشامدانہ لہجے میں بولا۔

''کہہ ڈالو۔''

''ذرا ادھر آیئے۔'' وہ انھیں دروازے سے ہٹا کر گیلری میں ایک طرف لے جاتے

ہوئے بولا۔

"ہاں کہو۔" نوجوان آدمی نے پوچھا۔

"حضور، میں نے بھی تسلی آرٹ پروڈکشنز کے نام سے ایک کمپنی کھولی ہے۔ میں آپ کو ہیرو بنا سکتا ہوں۔" وہ رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"تو آپ بھی تسلی دے رہے ہیں، گویا۔" نوجوان آدمی نے اسے گھورا۔

"نہیں، سرکار۔ یہ تو بیچارے آرٹ کو تسلی دے رہے ہیں۔" کانا بول پڑا۔

"خیر، خیر۔ تم نے کھولی ہے تو ابھی بند کردو۔ پہلے ہم کسی چالو کمپنی کے ہیرو بننا چاہتے ہیں، بعد میں تمہارا کام بھی بنا دیں گے۔" نوجوان آدمی نے کہا۔

"وعدہ کرتے ہیں، آپ۔" چپراسی نے مسرت سے چمکتی آنکھوں سے اس کی صورت دیکھتے ہوئے کھل کر کہا۔

"۹۹ پرسنٹ۔" وہ بولا۔

"تو چلیے، میں آپ کو پروڈیوسر سے ملا دوں۔" وہ ان کی رہنمائی کرتے ہوئے انھیں پھر دروازے پر لے آیا۔ اس کے بعد خود اندر چلا گیا اور ایک منٹ بعد ہی باہر نکل کر انھیں اندر جانے کا اشارہ کر کے وہیں کھڑا رہ گیا۔

وہ دونوں جب اندر داخل ہوئے تو سامنے ہی پروڈکشن منیجر کی میز تھی۔ اس نے سفید چشمے کی اوٹ سے انھیں گھور کر دائیں طرف اشارہ کیا۔ ادھر پارٹیشن کے دروازے پر پروڈیوسر کی تختی لگی تھی۔ اندر سے کسی کے باریک نسوانی قہقہے کی آواز نے انھیں چونکا دیا۔ وہ ٹھٹک گئے۔

"جایئے جایئے، یہ فلم کمپنی کا دفتر ہے کسی کا زنان خانہ نہیں ہے۔" پروڈکشن منیجر نے ان کی ہمت بڑھائی۔ اور سب سے پہلے نوجوان آدمی اور پھر اس کا یک چشم سکریٹری اندر داخل ہو گئے۔

''آیئے۔'' ایک گورے رنگ کے تندرست اور ادھیڑ عمر آدمی نے جس کا چہرہ داڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا اور جو ایک شیشے کے ٹاپ والی بڑی میز کی دوسری طرف ریوالونگ چیئر پر بیٹھا تھا، انھیں خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ دوسرے کونے پر پروڈیوسر کی کرسی سے قریب ہی ایک دوسری کرسی پر ایک دوہرے بدن کی عورت نما لڑکی جس نے چہرے پر غازہ اور لپ اسٹک کی تہیں تھوپ رکھی تھیں، بیٹھی ہنس ہنس کر پروڈیوسر سے باتیں کر رہی تھی۔ نوجوان اجنبی اور اس کا کانا سیکریٹری دونوں خالی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''فرمایئے؟'' پروڈیوسر نے آگے کی طرف جھک کر پوچھا۔

سکریٹری تم ہی کہہ دو۔ ہمیں شرم آتی ہے ذرا۔'' وہ اپنے سکریٹری کو ٹھونکا مار کر بولا۔

''سکریٹری؟'' پروڈیوسر چونکا۔ ''تو یہ آپ کے سکریٹری ہیں؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''پہلی بات اصل یہ ہے کہ ہیرو بننے کے بعد سکریٹری تو رکھنا ہی پڑے گا، اس لیے میں نے پہلے سے ہی رکھ لیا ہے۔'' نوجوان آدمی نے کسی قدر جھینپتے ہوئے انداز میں بتایا۔

''تو آپ ہیرو بننا چاہتے ہیں؟'' وہ اس کے چہرے کو شریر نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''جی، آپ کی دعا سے۔'' نوجوان آدمی نے اظہارِ تکلف کے ساتھ کہا۔

''آپ نے پہلے کبھی کام کیا ہے۔''

''کام! اجی جناب، بندہ کام کرنے کے لیے پیدا ہی نہیں ہوا۔ خدا کے فضل سے نوکر چاکر سب موجود ہیں۔ وہی کام کرتے ہیں۔'' اس نے بے وقوفوں جیسا جواب دیا۔

''تو شاید آپ کی جگہ ہیرو بھی وہی بنیں گے؟''

''لاحول الوقوۃ۔ میں کام دھندے والا کام سمجھا تھا۔'' نوجوان آدمی نے چونک کر کہا۔

"جی، میں فلم کے تمام آرٹ جانتا ہوں۔آپ کہیں تو سب کچھ ابھی بتا دوں۔" وہ بولا۔

"یہی نہیں بلکہ تمام جانوروں کی بولیاں بھی بول لیتے ہیں، آپ۔" سکریٹری نے مزید تعریف کر دی۔

"اچھا تو پھر ذرا گدھے کی بولی بول کر دکھایئے نا۔" پروڈیوسر نے سنجیدگی سے کہا۔

"گدھے کی؟" نوجوان چونک کر اپنے سکریٹری کی صورت دیکھنے لگا۔

"ارے، آپ تو شرما رہے ہیں۔بھائی صاحب، یہ فلم انڈسٹری ہے۔یہاں آدمی کو بے جھجک ہو کر کام کرنا پڑتا ہے۔آپ پھر ہیرو کیسے بنیں گے۔" پروڈیوسر مسکراتے ہوئے بولا۔

"تو کیا ہیرو بننے کے لیے گدھے کی بولی بولنا ضروری ہے۔" نوجوان آدمی نے معصومیت سے پوچھا۔

"یقیناً، اسے ہر فن مولا ہونا چاہیے۔" پروڈیوسر نے سادے سے لہجے میں جواب دیا۔

"تو پھر بولنی ہی پڑے گی۔" وہ بے بسی کے عالم میں اپنے سکریٹری کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہیرو بننا ہے سب امتحانوں سے گزرنا پڑے گا، سرکار۔" سکریٹری نے گویا اسے سمجھایا۔

"تو پھر ملاحظہ ہو۔" وہ اپنا سر ہلانے لگا۔

"ارشاد۔" پروڈیوسر اور متوجہ ہو گیا اور وہ لڑکی اب تک اپنا منھ رومال سے دبائے بیٹھی تھی۔شاید بڑی مشکل سے وہ اپنی ہنسی ضبط کر رہی تھی۔

"اہم اہم۔" نوجوان اجنبی نے اپنا گلا صاف کیا۔اور پھر حلق سے گدھے جیسی "ڈھینچوں، ڈھینچو" کی آوازیں نکالنی شروع کر دیں۔مگر وہ لڑکی اب اپنی ہنسی نہ روک سکی۔اس کا

قہقہہ چھوٹ گیا۔ اور نوجوان آدمی رک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"آپ بہت اچھا ہنستی ہیں۔" وہ بول ہی پڑا۔ جس پر اس لڑکی کے قہقہے اس کے حلق میں ہی اٹک گئے۔ وہ اسے گھورنے لگی۔

"آپ کا نام کیا ہے۔" پروڈیوسر نے ہنس کر پوچھا۔

"فلمی عرض کروں یا گھریلو؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"دونوں ہی سہی۔" پروڈیوسر نے کہا۔

"فلمی نام تو میں نے اکوش کمار رکھا ہے۔"

"اکوش کمار؟" پروڈیوسر نے اسے دلچسپ نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"جی، یہ اشوک کمار کا الٹا ہے... میں بھی ویسا ہی ہیرو بننا چاہتا ہوں۔ کمبخت بڈھا ہو گیا ہے مگر اس کا ہیروپنا ابھی تک خلاص نہیں ہوا ہے۔"

"اوہ۔" پروڈیوسر ہنسنے لگا۔

"اور میرا گھریلو نام ہے چھکن میاں۔"

"اچھا تو چھکن میاں، میں آپ کو ضرور ہیرو کا چانس دوں گا۔ لیکن اگلے سال۔ اس سال تو میں اپنی پکچر کے لیے ہیرو لے چکا ہوں۔" پروڈیوسر نے بڑی نرمی سے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔

"آپ وعدہ کرتے ہیں۔"

"بالکل۔"

"تھینک یو ویری مچ، پروڈیوسر صاحب، ویری مچ۔" اکوش کمار اس کا ہاتھ جذبۂ تشکر سے دبا کر بولا۔

"چلو بھئی، ادھار ہیرو تو بن ہی گئے۔" وہ باہر نکلتے ہوئے کانے ساتھی سے بولا۔

"اب چلیے، دوسرا دروازہ دیکھیں۔" سکریٹری نے باہر آتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

"کیا ہوا، صاحب۔" چپراسی انھیں دروازے پر ٹوک بیٹھا۔

"اگلے سال کے لیے ایڈوانس بکنگ ہوگئی ہے اپنی۔" کوشِ کمار نے کہا۔

"اور اپنا انعام، صاحب۔" چپراسی نے پھر ہاتھ پھیلا دیا۔

"سکریٹری، ایک روپیا اور دے دو۔" وہ کانے سے پلٹ کر بولا۔ چنانچہ کانے نے ایک روپیا اور نکال کر اسے دے دیا۔ اور دونوں آگے بڑھ گئے۔

"مر گئے مردود، جن کا فاتحہ نہ درود۔" چپراسی پیچھے سے دبی زبان میں بڑبڑایا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ہیرو

وہ دونوں اب آگے جا کر یاد گیر فلمز کے دروازے پر رک گئے۔یہاں کوئی چپراسی نہ تھا۔یا ہوتو کہیں گیا ہوا تھا۔

"کیا یہاں بھی چپراسی صاحب کا انتظار کرنا پڑے گا۔" اکوش کمار اپنے سکریٹری سے بولا۔

"جھانک کر دیکھا جائے۔" یہ کہہ کر اس نے خود ہی دروازہ کھول کر پہلے اندر جھانکا۔اندر ایک میز کے گرد تین آدمی بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔کمرے کی دیواروں پر چند فلموں کے پوسٹر لگے تھے۔ایک طرف ایک ڈربہ نما پارٹیشن تھا،جس پر پروڈیوسر کی تختی لگی تھی۔کمرہ فرنیچر وغیرہ کے اعتبار سے شاندار تھا۔چھت میں پنکھے وغیرہ بھی لگے تھے۔

"فرمایئے؟" اندر بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک آدمی نے،جس کا چہرہ کتابی اور آواز بھاری تھی،پوچھا۔

"ہم اندر آسکتے ہیں۔" کا نے سکریٹری نے جواباً کہا۔

"ہاں،ہاں،آیئے۔" ان میں سے دوسرا بھی بول اٹھا۔

"چلیے سرکار۔" وہ اکوش کمار کو اندر کھینچتے ہوئے بولا۔

"پھر وہی،صرف سر کہو۔کار ابھی نہیں خریدی ہم نے۔" نوجوان ساتھی بڑبڑاتا اندر داخل ہو گیا۔

"کیا بات ہے؟" کتابی چہرے والے آدمی نے پوچھا۔

"ذرا پروڈیوسر صاحب سے ملنا تھا۔"

"ہاں،ہاں،ضرور ملیے۔فرمایئے،میں ہی ہوں۔" وہ پرانے گرگٹ کی طرح

Akram Allahabadi

گردن ہلا کر بولا۔

"وہ...وہ بات دراصل یہ ہے کہ...تم کہہ دو سیکریٹری۔" نوجوان آدمی یہ کہتے کہتے سکریٹری کی طرف پلٹ پڑا۔

"اب آپ کی جگہ کیا کام بھی میں ہی کروں گا؟" کانے سکریٹری نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

"کہیے، کہیے...کیا کام ہے آپ کو؟" کتابی چہرے والے کے ساتھی نے نرمی سے پوچھا۔

"ڈائرکٹ کہہ دوں؟"

"ضرور۔" پروڈیوسر نے، جو شاید خود یادگیر تھا، کہا۔

"میں...میں ہیرو بننا چاہتا ہوں۔"

"آپ؟ ہیرو؟ اچھا۔" یہ کہہ کر وہ سر سے پیر تک اسے دیکھنے لگا۔

"آپ کیا کیا جانتے ہیں۔" "میں سب کچھ جانتا ہوں۔ آپ کہیں تو کچھ سیمپل پیش کروں۔"

"کیا حرج ہے شروع ہو جایئے۔" یادگیر کے ساتھی نے کہا۔

"تو ملاحظہ ہو۔" یہ کہہ کر وہ تن کر کھڑا ہو گیا۔

"پہلے بچے کی ایکٹنگ ملاحظہ فرمایئے۔"

"ٹیہوں، ٹیہوں، ٹیہوں۔ٹواں، ٹواں، ٹواں۔"

"ہنسی ملاحظہ فرمایئے۔اوں، اوں۔ممی ممی تی۔اچھی ٹچھی، ڈیڈی چھوں چھالا۔"

اس کی اس طرز ادا پر ان میں سے ایک ہنس پڑا۔

"کوئی بدتمیز بچہ ہوگا۔" یادگیر نے مسکرا کر لقمہ دیا۔

"آج کل لوگ سو فیصدی بدتمیز اولادیں پیدا کرتے ہیں۔" اکوش کمار بولا۔

"اب ملاحظہ ہو اور بڑے بچے یعنی نو جوان کو... ماسٹر جی کی دم میں دھاگا۔ چوہا دم دبا کر بھاگا۔ ماسٹر جی کی..."

"بس، بس... آگے چلیے۔" یادگیر نے اسے ٹوک دیا۔

"اب جوان ملاحظہ ہو۔ پتا جی، میں اس الو کی پٹھی سے ہرگز شادی نہیں کروں گا۔ کیا کہا؟ خاندانی عزت کا سوال ہے؟ تو پھر آپ ہی کر لیجیے نا اس سے شادی۔ موٹی جاڈی، اصلی انصاف کی توپ... مم میں ہرگز نہیں کروں گا، نہیں کروں گا۔ آپ مجھے آج ہی ٹھوکر دیجیے۔ یہ ترقی پسند زمانہ ہے۔ آپ میری آزادی کا خون نہیں کر سکتے ورنہ میں پولیس کا خون کر کے آپ کو گرفتار کرا دوں گا... آئی ایم سوری... پولیس کو فون کر کے خون کے جرم میں گرفتار کرا دوں گی۔ اوہ.. ساری... دوں گا..." وہ کہتے کہتے سانس لینے کے لیے رک گیا۔ باقی لوگ مسکرا رہے تھے۔

"کوئی عشقیہ۔" یادگیر کے ساتھی نے فرمائش کی۔

"اوہ مائی ڈارلنگ۔" اکوش کمار نے اسی کی طرف ہاتھ لمبے کر لیے۔ وہ جھینپ کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ڈارلنگ... تمہاری فراک میں..." اس نے کہنا چاہا

"فراک نہیں فراق کہیے، سرکار..." سکریٹری نے آہستہ سے ٹوک دیا۔ "مگر یہ لوگ فراق گورکھپوری سمجھ بیٹھے تو۔" اکوش نے خود ہی صفائی پیش کی۔

"جی نہیں۔ ہم لوگ اتنے عقل مند نہیں۔ آپ جاری رکھیے۔" تیسرا آدمی منہ چبا کر بولا۔

"جی تو میں کہہ رہا تھا کہ... ہاں... ڈارلنگ... تمہارے فراق میں میں نے تمام رات ایک الو کی طرح جاگ کر گزاری ہے... اور تم... میں جانتا ہوں کہ تم کسی بھینس کی طرح پیر پسارے سوتی رہی ہوگی۔ ہائے محبت، وائے محبت۔ میں بھی کتنا چغد کا پٹھا ہوں۔ جو تم سے محبت

کرتا ہوں…کاش…تم ایک بار تو نظر التفات…"

"التفات کہیے۔"

"التناف۔ اونہہ…خیر چھوڑیے اسے…ہاں تو…کاش تم ایک بار نگاہ مہربانی سے دیکھتیں مجھے۔ ارے ظالم لڑکی، میری محبوبہ بننا پسند نہ تھا تو بہن ہی بن جاتی۔ نہیں تو ماں ہی بن جاتی۔"

"بس، بس۔" یادگیر نے پھر ٹوک دیا۔ "یہ مکالمے ذرا پھسپھسے ہیں۔" اس نے کہا۔ اس وقت وہ سب ہی اس امیدوار ہیرو کی ان حرکتوں سے دلچسپی لے رہے تھے۔

"تو میں مضبوط مکالمے عرض کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہوں۔" یہ کہہ کر وہ سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔

"میں کون… عشق… تباہی کا دیوتا۔ بربادی کا خاوند، آغا حشر کاشمیری کی اولاد۔"

"میں قہر ہوں، قہر۔ اے زمانے ڈر…ڈر میرے غضب سے۔ ڈر میرے غصے سے کہ… کہ میں نے جس طرف نظر اٹھا دی ہے، گھر کے گھر۔ گھر کے گھر… کیا ہو گئے ہیں، سکریٹری؟" وہ اٹک کر سکریٹری سے پوچھنے لگا۔

"میرا سر۔" سکریٹری سر تھام کر بولا۔

"ہاں، میرا سر ہو گئے ہیں۔ ایں" وہ چونکا۔ "وہاٹ؟" اس نے ہرکانے کی طرف دیکھا۔

"اجڑ گئے ہیں۔" سکریٹری سنجیدگی سے بولا۔

"اجڑ گئے ہیں تو وزیر نوآبادکاری کس مرض کی دوا ہیں۔" وہ روانی میں کہہ گیا۔

"اوہ۔ مگر میں مکالمے بول رہا تھا۔ جی تو ملاحظہ ہو۔ میں نے مجنوں کو در بدر کی خاک چھنوائی۔ مجنوں ایکٹر نہ سمجھ لیجیے گا آپ لوگ۔"

Akram Allahabadi

"ہاں، ہاں، ہم ٹھیک سمجھ رہے ہیں۔ آپ جاری رکھیے۔" یادگیر کرسی کی پشت سے ٹک کر ٹانگیں ایک خالی کرسی پر پھیلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں تو میں نے فرہاد کو کوئی بنا دیا۔"

"کوہکن۔" سکریٹری نے پھر لقمہ دیا۔

"اس میں کیا فرق ہے۔ خیر، یوں ہی سہی۔ اور میں... میں جس کے دل میں گھس جاتا ہوں اسے دق ہو جاتا ہے۔ جس کے سر میں گھس جاتا ہوں، اسے سودا... بازار کا سودا سلف مت سمجھ لیجیے گا۔ جی تو سودا ہو جاتا ہے۔ ہاں تو جناب میں عشق ہوں۔ عشق۔ مجھ سے دنیا کے تمام شریف لوگ ڈرتے ہیں۔ مجھ سے شیطان اور فرشتے ڈرتے ہیں۔ پروڈیوسر صاحب آپ لوگ بھی ڈریے۔ کلیپنگ۔" وہ خود ہی تالی بجانے لگا جس پر اسے مزید بے وقوف بنانے کے لیے یادگیر اور اس کے ساتھیوں نے بھی دھیمی تالیاں بجا دیں۔

"لیلیٰ، شوکت تھانوی کی کولتار سے زیادہ کالی تھی۔ مگر میں نے مجنوں کی نظر میں اسے انڈے کی طرح سفید بنا دیا۔ شیریں کی ناک نہ ہونے کی برابر چپٹی تھی، مگر میں نے فرہاد کی نظر میں اسے جنت کی جور... آئی ایم ساری، جنٹ کی حور بنا دیا۔ اور سنیے، وہ میری ہی کرامت تھی جو ایک الو کا پٹھا سوداگر زہر عشق کھا کر مر گیا۔ وہ میرا ہی جادو تھا جو ہیر اور رانجھا..."

"رانجھا۔" سکریٹری پھر بولا۔

"آئی ایم ساری، رانجھا کے سر چڑھ کر بولا۔ اور وہ میں ہی تھا جو سوہنی میانوالی..."

"مہیوال۔" کانے نے اس بار پھر تصحیح کر دی۔

"مہیوال کے دماغوں میں کیڑے بن کر رینگا۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"ایک گلاس پانی۔" اس نے مکالمے ختم کر کے پانی مانگا اور ان میں سے ایک آدمی نیکو ہی اٹھ کر صراحی سے پانی نکال کر اسے دے دیا۔

"اب ذرا کسی جوان لڑکی اداکاری پیش کیجیے۔" یادگیر کے ساتھی نے کہا۔

Akram Allahabadi

"ناں۔ میں کوئی جوان لڑکی بنوں۔موئے غنڈے پیچھے لگ گئے تو۔" اکوش کمار نے حلق سے عورت جیسی آواز نکال کر مٹک کر کہا۔اس پر ان سب کے قہقہے چھوٹ گئے۔

"بھئی خوب۔بہت دلچسپ۔" یادگیر بولا۔

"اب ملاحظہ ہو ہیرو کا باپ۔"

"نامعقول، نا خلف، گدھے کے بچے۔آئی ایم ساری۔یہ گالی تو باپ پر ہی پڑی۔صرف گدھے کافی رہے گا۔ہاں تو۔" اس نے آواز موٹی کر کے کہا۔"تم نے خاندان کی پتنگ کی لٹیا ڈبو دی۔تم سو سر بازار میری پگڑی اچھال رہے ہو، حالانکہ کپڑا آج کل بہت مہنگا ہے۔میں تمھیں اس ایشیا کی لڑکی۔"

"ویشیا کی لڑکی۔" کا سکریٹری پھر بولے بغیر نہ رہ سکا۔

"اوہ، میں سیاست میں چلا گیا تھا۔ہاں تو... ویشیا کی لڑکی سے ہرگز، ہرگز، بلکہ ڈبل ہرگز شادی نہ کرنے دوں گا۔آں میں تمہارا باپ ہوں کوئی اٹھائی گیرا نہیں۔میرے جیتے جی یہ نا ممکن ہے۔"

"ناممکن، قطعی ناممکن، بالکل ناممکن۔میں نے تمہارے لیے جو لڑکی ڈھونڈھی ہے اسی سے شادی کرو گے تم۔کیا کہا نہیں؟ بدتمیز۔تم نہیں تو کیا تمہارا باپ کرے گا اس سے شادی۔اوہ، مگر باپ کیسے کر سکتا ہے۔میں کچھ غلط بول گیا شاید۔" وہ اٹک گیا۔

"خیر، خیر، چلنے دیجیے۔" یادگیر نے ہنسی روکتے ہوئے اسے اشارہ کیا۔

"نکل جاؤ... میں کہتا ہوں نکل جاؤ میرے گھر سے۔ابھی اسی وقت۔گیارہ بج کر ۳۵ منٹ ۱۰ اسیکنڈ پر۔" وہ دفتر میں لگی ہوئی گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔

پھر اس نے لڑکے جیسی آواز بدل لی۔"میں جاتا ہوں۔میرے سنگ دل باپ جاتا ہوں۔مگر یاد رکھنا...اور یاد کر کر کے رونا کہ تم نے...تم نے اپنی اولاد کو اپنے گھر سے نکالا تھا اور اسے مصیبت یں ڈالا تھا۔تم جلاب ہو۔"

"جالد کہیے، جلاد۔" کانا پھر بول پڑا۔

"آئی ایم ساری، بہت بول گیا اس لیے زبان پھسلنے لگی ہے۔ ہاں تو، تم جلاد ہو، تم فرعون کے استاد ہو۔ تم خنجرِ بے داد ہو۔ میں جاتا ہوں۔ سنبھال کر رکھو اپنی ولدیت۔ میں چلا۔ میں چلا..." یہ کہتے کہتے اکوش کمار خود ہی پیچھے ٹہلتا ٹہلتا دروازے تک پہونچ گیا۔

"ارے بھئی آپ کہاں چلے۔" یادگیر نے ٹوک دیا۔

"اوہ، میں تو بھول ہی گیا تھا۔ انہماک میں۔" یہ کہہ کر وہ پھر آگے بڑھ آیا۔

"تشریف رکھیے۔ آپ تھک گئے ہوں گے۔" یادگیر کے ساتھی نے اسے خالی کرسی پیش کی۔

"لیڈری بھی ملاحظہ فرمایئے گا؟" اکوش کمار نے پوچھا۔

"وہ بھی ہو جائے گا۔" یادگیر مسکرا کر بولا۔ نوجوان اجنبی فوراً ہی پھر کھڑا ہو گیا۔

"بھائیو! بہنو! ماؤں اور باپو! آئی ایم ساری، ماں بہن وغیرہ تو ہیں ہی نہیں یہاں۔ خیر، تو، میری پیاری جنتا۔"

"ارے تم کیا جانو کہ تمہارے دکھ سے میرا کلیجہ کتنا پھٹ گیا ہے۔ اتنا پھٹ گیا ہے اسے اب کمسن لال ڈریس والا بھی نہیں سی سکتا۔ یعنی یہ میں نے اپنی طرف سے کہہ دیا ہے۔ ہاں تو، بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ میں پیدا ہونے سے پہلے سے ہی آپ کی سیوا کر رہا ہوں۔ آپ کا دکھ میرا دکھ ہے۔ یقین مانیے، آپ کو بھوکا دیکھ کر روٹی کا نوالہ میرے حلق سے نہیں اترتا۔ پھر بھی دو چار پلیٹیں صرف اس لیے ختم کر دیتا ہوں کہ اگر کھاؤں گا نہیں تو زندہ کیسے رہوں گا اور زندہ نہیں رہوں گا تو آپ کی سیوا کون کرے گا۔ آپ وشواس کیجیے، آپ کو ننگا دیکھ کر میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اپنے کپڑے پھاڑ کر پھینک دوں۔ مگر میں یہ اجلے کپڑے اس لیے پہنتا ہوں کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ جنتا کا لیڈر بھی ننگا ہے۔ وہ میلے کپڑے پہنتا ہے، اس لیے گندا بھی ہے۔ اور سچ مانیے کہ آپ کو پیدل چلتے دیکھ کر دکھ کے مارے کئی بار میرا ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔ مگر میا

Akram Allahabadi

موٹر کار پر صرف اس لیے چلتا ہوں کہ مجھے بہت سے کام آپ کے لیے کرنے ہوتے ہیں اور اگر میں گاڑی پر نہ چلوں تو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پیدل جانے میں کئی گھنٹے بیکار چلے جائیں اور بہت سا کام کل پر باقی رہ جائے اور اسی طرح کل کا پرسوں پر اور پرسوں کا...'' وہ یہیں تک کہہ پایا تھا کہ یاد گیر کے ساتھیوں کے قہقہوں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

''نرسوں پر۔'' یاد گیر خود بولا اٹھا۔

''خیر، بہت ہوا۔ اب فرمایئے، آپ کا نام کیا ہے؟'' وہ اس سے پوچھنے لگا۔

''اشوک کمار کا الٹا ہے۔''

''کوشا۔''

''جی نہیں، اکوش کمار۔''

''اچھا تو، اکوش کمار جی، آپ چاہتے کیا ہیں؟''

''یعنی میں نے تمام یوسف و زلیخا سنا دی اور آپ ابھی یہی نہیں سمجھے کہ زلیخا مرد تھی کہ عورت تھا۔'' اکوش کمار منھ چڑا کر بولا۔

''ذرا ایک منٹ میری سنیں گے، آپ۔'' کانا سکریٹری آہستہ سے یاد گیر وے بولا۔

''ہاں، ہاں، کیوں نہیں۔''

''کہیں تخلیے میں۔''

''آیئے، آیئے۔'' یہ کہہ کر وہ کانے سکریٹری کو ساتھ لیے پارٹیشن کے اندر چلا گیا۔ وہاں دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''بات دراصل یہ ہے کہ جھکن میاں، میرا مطلب یہ ہے یہی صاحب ہتنا پور کے ایک بہت بڑے جاگیردار اچھن میں کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ انھیں شروع سے ہی فلموں سے عشق رہا ہے اور مدت سے خود بھی ہیرو بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ اب یہ پاگل پن اتنا

بڑھ گیا ہے کہ یہاں تک آپہونچے ہیں۔'' کانا سکریٹری بتانے لگا۔

''کوئی بات نہیں۔یہاں اسی قسم کے سینکڑوں نوجوان روز آیا کرتے ہیں۔''

''دولت مند گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ان پر زیادہ سختی بھی نہیں کی جاسکتی۔ مجبوراً ان کی سنک کا ساتھ دینے کی وجہ سے مجھے بھی ساتھ آنا پڑا ہے تاکہ یہاں پردیس میں الٹے سیدھے نہ پڑ جائیں۔''اس نے بتایا۔

''تو ہیرو بننے کا خبط سوار ہے ان پر۔''

''خبط! ارے صاحب، وہ خود کو دلیپ کمار سے بھی اونچا ہیرو سمجھتے ہیں۔ان کے سامنے کوئی خلاف کہہ دے تو بس۔''

''کتنی جاگیر ہوگی ان کی۔''

''کم و بیش تین لاکھ روپے سال کی آمدنی ہے۔''

''ایسا؟''یاد گیر کی آنکھیں کسی خیال سے چمکنے لگیں۔

''یہ اس طرح نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتے رہیں گے۔لیکن اگر آپ ایک احسان کریں تو شاید معاملہ کچھ سنبھل جائے۔''کانے نے کہا۔

''مجھ سے کیا چاہتے ہیں،آپ؟''یاد گیر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''آپ انھیں کسی طرح دلاسا دے کر یہیں ٹکا لیجیے اور تھوڑے دنوں میں سمجھا بجھا کر واپس کر دیجیے۔شاید آپ کے کہنے سے سمجھ میں آجائے ان کے۔''

''بس اتنی سی بات۔''

''جی ہاں۔ویسے اس معاملے میں جو کچھ خرچ ہوگا، آپ اس کی فکر نہ کریں۔آپ کہیں تو میں پہلے ہی منگا دوں۔''

''خیر، وہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ویسے آپ لوگ ٹھہرے کہاں ہیں۔''

''رٹز ہوٹل میں۔''

Akram Allahabadi

"وہاں تو بہت خرچ ہوگا۔ان آپ نے مجھ سے مدد مانگی ہی ہے تو آپ لوگ کچھ دنوں کے لیے میرے ہی غریب خانے پر آجایئے تا کہ یہ ادھر ادھر بھی نہ بھاگ سکیں۔" یاوگیر نے تجویز پیش کی۔

"یہ تو اور بھی اچھا ہوگا۔"

"تو پھر آیئے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔دونوں باہر نکل آئے۔

"کیا فیصلہ کیا آپ نے؟" اکوش کمار نے یاوگیر کی شکل دیکھ کر پرامید لہجے میں پوچھا۔

"میں نے آپ کو اپنی کامیدی فلم کا ہیرو چن لیا ہے۔" وہ ولا۔

اس پر اس کے ساتھی کچھ بولنے ہی والے تھے کہ یاوگیر نے انھیں آنکھ ماردی اور وہ مسکرا کر اکوش کمار کی طرف پلٹ پڑے۔

"بھئی مبارک ہو۔آپ تو بڑے خوش نصیب نکلے۔آج تک انڈسٹری میں کوئی ایسا نہیں آیا جس کو ڈائرکٹ اتنا بڑا چانس ملا ہو۔"

"شکریہ شکریہ۔" وہ ان سے ہاتھ ملانے لگا۔

"بھئی ہمارے نئے ہیرو کے لیے چائے وغیرہ تو منگوایئے۔" یاوگیر نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔

"سکریٹری۔" اکوش کمار، اپنے کانے ساتھی سے بولا۔

"فرمایئے۔" اس نے کہا۔

"ہم نے کہا نہ تھا کہ ہمارے فن کو کوئی قدرداں ہی سمجھ سکتا ہے۔"

"آپ نے ٹھیک فرمایا تھا۔" سکریٹری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو اب ہم ہیرو بن گئے۔دیکھو،اب ہم ایسے ویسے لوگوں سے نہیں ملیں گے۔اور اگر لوگ ہمارے آٹوگراف لینے آئیں تو تم وہیں سے پلٹا دیا کرنا۔"

Akram Allahabadi

"بہت اچھا۔مگر پہلے مارکیٹ میں تو آ یئے۔"

"مارکیٹ میں! تو کیا ہم مولی بھاجی ہیں؟ انسلٹ۔"

"نہیں سرکار، مارکیٹ سے مطلب آپ کی فلم بن کر جب پبلک کے سامنے آجائے۔"

"اوہ، ایسا۔تو اب اس میں بھی کیا دیر لگے گی۔"

لیکن اسی وقت دروازہ کھول کر کینٹین کا بیرا اندر آں پہونچا۔

"صاحب، منیجر نے کہا ہے پہلے سترہ روپے آٹھ آنے کا پرانا بل چکا دیجیے پھر چائے ادھار ملے آئے گی۔" وہ اینٹھے ہوئے لہجے میں بولا۔جس پر یادگیر اور اس کے ساتھی سٹ پٹا سے گئے۔

"بل کیا۔" یادگیر اس پر بگڑ گیا۔"دو دن بینک بند ہو گیا تو تم لوگ تقاضے کرنے لگے۔شرم نہیں آتی تمھیں۔ہزاروں روپے کما چکے ہو ہم سے اور اس پر بھی یہ حال ہے۔"

"ہزاروں۔" بیرے نے کچھ کہنا چاہا مگر یادگیر کا ساتھی فوراً بول اٹھا۔

"ہاں بھائی، ہمارا کیشیر آج چھٹی پر ہے۔کل وہ بینک سے رقم نکال کر لائے گا تو سب بل چکائے جائیں گے۔آخر اور بھی تو ہزاروں روپے دینے ہیں ہمیں۔تمہارے سترہ روپے آٹھ آنے کس گنتی میں ہیں۔"

"کل ضرور۔" بیرے نے یقین دہانی چاہی۔

"ارے مگر آپ اس دو ٹکے کے بیرے کا احسان کیوں لیتے ہیں۔بل میں چکا دیتا ہوں۔جب بینک سے آپ کی رقم آئے تب مجھے واپس دے دیجیے گا۔" اکوش کمار بول اٹھا۔

"نہیں، آپ تو ہمارے ہیرو ہیں، آپ کیسے۔" یادگیر نے کہنا چاہا۔

"سکریٹری، تم بل چکا دو۔واہ، ایسا تکلف بھی کیا۔اب تو آپ کے ساتھ کام کرنا ہی ہے۔" اکوش کمار نے بڑی فراخ دلی سے فرمایا۔

Akram Allahabadi

"خیر۔ آپ نہیں مانتے تو آپ کی مرضی۔" یادگیر نے گویا اخلاقاً ہتھیار ڈال دیے۔ اور کانے سکریٹری نے فوراً بیرے کو بل چکا دیا جس کے بعد ہی بیرا بے چوں چرا جائے لے آیا اور اس کبوتر خانے کی فضا بدل سی گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

تصویر

"صاحب! آپ کا فون۔" نوکر کی آواز نے خان کو چونکا دیا۔ وہ ابھی دن بھر کی مصروفت کے بعد دفتر سے لوٹا تھا۔ اور کپڑے تبدیل کر کے پیر پھیلائے ہی تھے کہ فون آ گیا۔

"پوچھا نہیں کس کا ہے۔" خان نے نوکر سے کہا۔

"صاحب، وہ کچھ اول فول بکتا ہے۔ آپ ہی پوچھ لیجیے نا۔" نوکر نے معصوم سی صورت بنا کر کہا۔ اور خان جھنجھلایا ہوا سا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہلو۔" اس نے دوسرے کمرے میں آ کر رسیور اٹھا کر کہا۔

"ادھر ہم یادگیر کمپنی کا ہیرو بولتا ہے۔ ادھر کھان صاحب ہے کیا۔" آواز بالے کی تھی۔ خان کی جھنجھلاہٹ مسکراہٹ میں بدل گئی۔

"بولو، سور۔" خان نے ہنس کر کہا۔

"ادھر سور وور نہیں ہے۔ ہم یادگیر پکچرز کا ہیرو ہے مسٹر اکوش کمار۔"

"شامت آئی ہے کیا۔" خان نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"میں جانتا ہوں آپ ٹیلی فون پر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ تمھیں جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو۔"

"تو پھر سنیے، کل ہماری کوشش کامیاب رہی۔ سر دست میں اس پھٹیچر کمپنی کا ہیرو بن گیا ہوں اور بھائی حرام مونچھ میرے یک چشمی سکریٹری۔"

"یک چشمی؟ ورِ دوسری کہاں گئی؟"

"اس پر پلاسٹک چڑھ گیا ہے۔ بہر حال وہ کافی محتاط آدمی معلوم ہوتا ہے۔ کل سے ابھی تک کسی سے بھی دوران گفتگو اس نے اپنی بیوی یا اس کی موت کا ذکر نہیں چھیڑا۔"

"مالی حالت کیسی ہے اس کی۔"

"کافی خراب۔کل کینٹین والے کا ساڑھے سترہ روپے کا بل چڑھا ہوا تھا۔"

"دھندہ۔"

"چار سو بیس ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"پہلے بھی ایک پکچر بنائی تھی جو ڈبہ ہو گئی۔اس کے بعد سے ابھی تک تو اس نے کوئی پکچر بنائی نہیں البتہ پکچر کے نام پر کچھ ڈسٹری بیوٹروں کے ایڈوانس ہضم کر چکا ہے۔دو ایک آدمیوں کی پندرہ بیس ہزار کی رقمیں بھی ادھار ہیں۔ایسے تو پروگرام لمبے چوڑے بنائے بیٹھا ہے۔" بالے نے بتایا

"تو کڑکا ہو رہا ہے بے چارہ۔"

"جی ہاں۔ممکن ہے کلشام سے ہم لوگ اس کے مکان پر ہی رہنے چلے جائیں۔بھائی رؤف نے اسے لالچ دلانے کے لیے میرے بارے میں لمبی چوڑی ڈینگیں ہانک دی ہیں اور وہ مجھے ہستناپور کے ایک بہت بڑے جاگیردار کا فلمز دہ لڑکا سمجھ رہا ہے۔کل اس کا ساڑھے سترہ کا بل بھی چکانا پڑ گیا تھا۔ہمیں۔"

"مکان کہاں ہے اس کا۔"

"آبادی سے دور، ڈانڈی ہل پر ایک پرانا سا بنگلہ ہے، جو ابھی تک تو خالی ہے۔لیکن آج ہی وہاں رہنے کے لیے سب جائیں گے۔کیوں کہ اس کا شہر والا فلیٹ جس دوست کا تھا وہ کہیں ہندوستان سے باہر گیا ہوا تھا اور اب وہ واپس آچکا ہے۔"

"اس بنگلے کا کچھ نام۔"

"شاید ولا روزینہ۔"

"خیر، تو تم اس کے خاص خاص ساتھیوں پر بھی نظر رکھو۔ممکن ہے ان میں سے کسی کے منھ سے کوئی کام کی بات نکلے۔"

Akram Allahabadi

"اچھا ایک بات بتا دیجیے۔"

"کیا؟"

"کوئی پرکشش ہیرو ٹمپلے تو حرام ہے یا حلال؟ میرا مطلب رومان کے لیے۔"

"تمہاری قبر تمہارا جواب۔"

"ایک بات اور...اور وہ یہ کہ ایک بہت بڑے جاگیردار کے قلمزدہ سنکی صاحبزادے کی حیثیت سے مجھے یہاں وقتاً فوقتاً تھوڑی بہت سخاوت تو دکھانی پڑے گی۔ آخر یہ جیب خرچ کہاں سے پورا کروں گا میں۔"

"اپنی تنخواہ سے۔"

"تو میں اسی وقت واپسی کا ٹکٹ کٹاتا ہوں۔ میری کمائی حلال کی ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ مسٹر یشپال ان اخراجات کے ذمہ دار ہیں۔"

"بہتر ہے۔ اب باقی آئندہ۔" یہ کہہ کر اس نے ریسور رکھ دیا۔

خان نے بھی ریسور رکھ کر جیب سے نوٹ بک نکالی اور اس میں سے ایک نمبر لے کر ڈائل گھمانے لگا۔

"ہلو۔ کون؟...مسٹر یشپال کو بلا دیجیے۔" خان نے کہا۔ اور بمشکل ایک منٹ بھی نہ گزرا تھا کہ دوسری طرف فون پر یشپال آن پہونچا۔

"میں سپرنٹنڈنٹ خان بول رہا ہوں، مسٹر یشپال۔"

"ہاں، ہاں، فرمایئے، کیا حکم ہے۔"

"میرے آدمی اس کے گھر تک پہونچ گئے ہیں۔ اب آپ جیسا میں کہوں ویسا کیجیے۔"

"میں بسر و چشم تیار ہوں، فرمایئے۔"

"آپ کچھ اس طرح کی پالیسی اختیار کیجیے جس سے نہ انکار کا اظہار ہو نہ اقرار کا۔

Akram Allahabadi

آپ جواب میں مسٹر یاد گیر کو امید دلا دیجیے کہ کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے جلسے میں اس بات کا فیصلہ کیا جائے گا کہ ادا ئے گی کتنی اور کن طریقوں سے ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیجیے کہ اس میں وقت لگے گا۔ ہو سکتا ہے تین چار مہینے لگ جائیں۔" خان نے مشورہ دیا۔

"بہتر ہے۔" یشپال نے کہا۔

"البتہ کچھ رقم آپ کو دوسرے طریقے سے اس معاملے میں صرف کرنی پڑے گی۔ یہ رقم مسٹر یاد گیر کو ہی دی جائے گی، لیکن میرے آدمی کے ذریعے، سمجھ لیجیے بطور قرض۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" یشپال نے ہنس کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ رقم اس سے واپس نہ ملے لیکن میرا اسسٹنٹ اس کی باقاعدہ رسید یا تحریر وغیرہ ضرور حاصل کر لے گا تاکہ بعد میں اگر بالفرض یاد گیر کا کلیم درست ثابت ہوا تو اتنی رقم اس میں سے حذف کی جا سکے۔" خان نے بتایا۔

"ایسی رقم بیس ہزار کے اندر دی جا سکتی ہے۔" یشپال نے کہا۔

"شاید اتنی ضرورت نہ پڑے گی۔ بہر حال اس سلسلے میں ہم بات کر لیں گے۔"

"او۔کے۔" یشپال نے تصدیق کی اور خان نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کے بعد اس نے جیب سے ایک لمبا لفافہ نکالا اور اس میں رکھی ہوئی ایک تصویر نکال کر غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی پشت پر لکھا تھا "مسز صفیہ یاد گیر"۔ تصویر کے ایک کونے پر انشورنس کمپنی کے انسپکٹر اور مسٹر اور مسز یاد گیر کے دستخط تھے۔ یہ تصویر یشپال نے آج ہی اس کے پاس دفتر میں بھیجی تھی۔ وہ اسے نہ جانے کیوں دیر تک دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆

صبح ہوتے ہی وہ ناشتہ کر کے آج جلدی ہی دفتر پہونچ گیا۔ اس کے دو اردلیوں میں سے صرف ایک پہلے آیا تھا۔ وہ خلاف معمول خان کو جلد دفتر آتے دیکھ کر کچھ گھبرا سا گیا۔ ابھی

تک اس نے دفتر کی صفائی بھی نہ کی تھی۔لیکن خان نے اس کی طرف دھیان بھی نہ دیا۔

میز پر بیٹھ کر اس نے سب سے پہلے انٹرڈپارٹمنٹ ٹیلی فون سسٹم پر انسپکٹر ڈیسوزا کا نمبر ملایا۔ڈیسوزا کا نمبر ملایا۔ڈیسوزا خان کے بعد اس ڈپارٹمنٹ میں دوسرا سب سے زیادہ محنتی اور ذمہ دار آفیسر تھا۔وہ خان سے پہلے ہی دفتر پہونچ چکا تھا۔

"ڈیسوزا اسپیکنگ،سر۔"ادھر سے جواب ملا۔

"مسٹر ڈیسوز،تلاش گمشدہ والی تصویروں کا البم لے کر ذرا یہاں آجایئے۔"خان بولا۔

"ابھی لایا۔"ڈیسوزا نے کہا۔خان نے فون رکھ دیا۔اور جیب سے مسز یادگیری کی تصویر نکال کر اسے غور سے دیکھتا رہا۔پانچ منٹ بعد ہی انسپکٹر ڈیسوزا آن پہونچا۔اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا موٹا سا البم تھو، جو سلام کرنے کے بعد اس نے خان کی طرف بڑھادیا۔

"بیٹھیے۔"خان نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور کو والبم کھولکر کچھ دیکھنے لگا۔

اس البم میں ان لڑکے،لڑکیوں،بچوں اور آدمیوں کی تصویریں تھیں جن کی گمشدگی کی رپورٹیں محکمہ خفیہ کے پاس تھیں اور جن میں سے کئی ایک کی تلاس اب بھی جاری تھی۔جو فریم خالی پڑے تھے ان پر سفید چٹیں لگی ہوئی تھیں جن یں سے بعض پر انگریزی میں "بازیافت اور واپسی" لکھا تھا اور بعض پر قتل کردیا گیا یا "مرگیا" کے الفاظ لکھے تھے۔اس کے ایک ایک صفحہ کو غور سے دیکھتا رہا۔

"آپ کیا چاہتے یں؟"ڈیسوزا نے ادب سے پوچھا۔

"مجھے ایک تصویر پر شک ہے۔"

"کسی لڑکی کی ہے یا مرد کی؟"

"لڑکی کی ہے۔او.... ہاں... یہ رہی۔"وہ ایک جگہ رکگر بولا۔اور پھر مسز یادگیری

Akram Allahabadi

تصویر اس کے قریب رکھ کر دونوں کو غور سے دیکھنے لگا۔

"دیکھیے، ان میں کیا بات مشترک ہے" خان نے البم اور وہ تصویر ڈیسوزا کی طرف بڑھادی اور ڈیسوزا ان دونوں تصویروں کو غور سے دیکھنے لگا۔

"اگر اس لڑکی کی ناک ذرا اور اونچی ہوتی تو دونوں تقریباً یکساں ہیں۔" ڈیسوزا نے کہا۔

"اور کچھ؟" خان مسکرایا۔

"اوہ، ہاں۔" ڈیسوزا پھر چونکا۔ "ماتھے کا یہ اسکار۔"

اور واقعی اس تصویر کے ماتھے پر ایک خفیف سا گڑھا پڑا ہوا تھا۔

"اب اگر اس لڑکی کے ماتھے اسکار کو پوٹین سے بھر دیا جائے اور ناک ذرا سی اونچی کر دی جائے تو؟" خان نے پوچھا۔

"شاید دونوں میں فرق کا علم مشکل ہو جائے گا۔" ڈیسوزا نے کہا۔

"مجھے شک تھا کہ میں نے اس سے ملتی جلتی تصویر کہیں دیکھی ہے اور شکر ہے کہ وہ یہیں مل گئی۔" خان بڑبڑایا۔

"اچھا، اب مجھے پولیس فوٹوگرافر سے اس تصویر کی چار ارجنٹ کاپیاں نکلوا دیجیے۔" خان نے اسے ہدایت کی۔

"بہتر ہے۔ میں ابھی جاتا ہوں۔" ڈیسوزا یہ کہہ کر البم بغل میں دبائے اٹھ کھڑا ہوا اور خان نے مسز یا دگیری کی تصویر جیب میں رکھ لی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

آسیب

ڈانڈی ہل پر ''ولاً روزینہ'' اب سے تقریباً سو (۱۰۰) سال پہلے ایک پارسی دولتمند نے
اپنی بیٹی کو جہیز میں دینے کے لیے بنوایا تھا، لیکن اس بیچارے کی بیٹی شادی سے پہلے ہی چل
بسی۔ اس لیے پہلے تو کچھ دن یہ ویران پڑا رہا پھر کرائے پر اٹھا دیا گیا۔ پچھلے ایک ڈیڑھ سال
سے یہ یاد گیر کے قبضے میں تھا۔ وہ یہاں کبھی کبھی ہی آ کر رہتا تھا ورنہ اس کا زیادہ تر قیام شہر
والے اس فلیٹ میں ہی رہتا، ورنہ اس کا زیادہ تر قیام شہر والے اس فلیٹ میں ہی رہتا جو اس کا
ایک دوست عارضی طور پر اسے دے کر ہندوستان سے باہر چلا گیا تھا۔

اس ہل پر چند اور بنگلے بھی تھے لیکن وہ سب اس سے تقریباً ایک فرلانگ دور ایک
ساتھ بنے ہوئے تھے۔ ان بنگلوں میں زیادہ تر شہر کے سکون پسند دولت مند پارسی یا چند چوٹی
کے فلم اسٹار رہتے تھے جن میں یاد گیر دوست امرناتھ بھی تھا۔ یاد گیر نے امرناتھ کے ہی چوکیدار
کو اس بنگلہ کی نگرانی کے لیے بھی مقرر کر دیا تھا جس کے لیے وہ اسے دس روپے مہینے علیحدہ سے
دے دیا کرتا تھا۔۔ چوکیدار کا کام صرف یہ تھا کہ رات کے وقت جب امرناتھ کے بنگلے کا چکر
لگائے تو ادھر بھی چکر لگا لیا کرے تاکہ کوئی بنگلہ توڑ کر سامان نہ اٹھا لے جائے۔ وہ کبھی کبھی تالہ
کھول کر بنگلے کی صفائی بھی کر دیا کرتا تھا۔ بنگلے کی ایک چابی اس کے پاس بھی رہتی تھی۔

وہ لوگ شام کے وقت اپنے بنگلے پر جانے سے پہلے امرناتھ کے یہاں ہی جا پہنچے۔
امرناتھ تو اس وقت نہیں تھا لیکن یاد گیر کی اپنی چابی کہیں کھو گئی تھی اس لیے اسے امرناتھ کے
چوکیدار سے چابی لینی تھی۔ وہ سب برآمدے میں ہی بیٹھے تھے کہ چوکیدار بھی آ پہنچا۔ وہ یاد گیر کو
دیکھتے ہی چونک پڑا۔

''صاحب، آپ آ گئے۔ اچھا ہوا صاحب، ہمیں میں خود ادھر آنے کو تھا۔'' وہ بولا۔

"کیوں، ایسی کیا بات تھی؟" یادگیر نے پوچھا۔

"بات۔" چوکیدار نے بڑی سنجیدگی اور احتیاط سے کہا۔ "اب کیا کہوں صاحب، پتا نہیں آپ لوگ وشواس کریں نہ کریں ...مگر بات بڑی اچنبھے کی ہے۔" چوکیدار خود ہی مجسم حیرت بنتے ہوئے وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔

"آخر معاملہ کیا ہے؟ کوئی بھوت ووت پکڑ لے گیا تھا کہ...؟" یادگیر کے ساتھی رمیش نے ہنس کر پوچھا۔

"بھ...بھوت۔ ہاں صاحب، وہ بھوت ہی تھا۔ صاحب، میرا تو دل دہلتا ہے، سوچ سوچ کر۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"آخر کچھ بولو بھی یا پہیلیاں بجھاتے رہو گے۔"

"صاحب، آپ کی بیوی کا جس دن دیہانت ہوا تھا..." چوکیدار نے دبے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں، بے چاری۔" یادگیر اچانک اس کے ذکر سے مغموم ہو گیا۔ اس نے ٹھنڈی سانس کھینچ کر سر جھکا لیا۔

"اور انھیں کبر میں بھی دھنسایا گیا تھا۔" وہ پھر پوچھنے لگا۔

"آخر تم پوچھنا کیا چاہتے ہو؟"

"صاحب، مم، میں نے ان کا بھوت دیکھا ہے۔" وہ خود ہی کوف سے زرد ہونے لگا۔

"بھوت؟ کیا مطلب..." یادگیر نے چونک کر کہا۔

"صاحب، تین ٹھو ئے جب میں صفائی کے لیے بنگلے پر گیا تھا۔ بنگلہ باہر سے بند تھا۔ جب میں اندر گیا تو میں نے دیکھا کہ دیوار کی گھڑی بھی چل رہی تھی، اور...اور..."

"اور کیا؟"

"ان کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔اس کے پردے ہل رہے تھے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اندر جھانک کر دیکھا تو..." چوکیدار کو اب جھرجھری سی آ گئی۔ "وہ اپنے پلنگ پر ایک دم سپید چادر میں لیٹی سو رہی تھیں۔"

"کون؟" یا دگیر اور اس کے ساتھی حیرت سے چونک پڑے۔

"صفیہ؟"

"ہاں صاحب، یہ دیکھ کر میرے تو ہاتھ پیر پھول گئے۔ میں بنگلہ ویسا ہی کھلا چھوڑ کر بھاگ نکلا۔مگر میں نے جب باہر آ کر ہمت کر کے اس کمرے کے روشن دان سے اندر جھانکا تو وہ پلنگ خالی پڑا تھا اور کمرے کا دروازہ پہلے کی طرح بند تھا۔پھر میری ہمت نہیں پڑی۔مگر صاحب یہ سمجھ میں نہیں کہ بنگلے کے دروازے کیسے بند ہو گئے۔"

"عجیب بات ہے۔" رمیش نے حیرت سے کہا۔

"مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ بھابی کی روح بھٹکتی آ گئی ہو۔" دوسرے ساتھی سلیم نے گویا معمہ حل کرنے کی کوشش کی۔

"روح!" رمیش نے حلق میں اٹکتی آواز سے کہا۔

"مجھے بھی ایسا ہی پتا چلتا ہے، صاحب۔اور کل رات کو تو، صاحب، حد ہو گئی۔" چوکیدار نے پھر اپنی داستان حیرت شروع کی۔

"رات کو کیا ہوا تھا۔" رمیش نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"رات ڈر کے مارے میں بنگلے کے پاس تو نہیں گیا۔مگر ادھر کا چکر ضرور مارا تھا اور صاحب۔" کہتے کہتے وہ شاید اسی تصور میں کھو گیا۔اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔

وہ سب اس کی داستان توجہ سے سن رہے تھے۔خصوصاً نیا ہیرو اور اس کا کانا سکریٹری تو خوف سے سکڑے جا رہے تھے۔

Akram Allahabadi

"میں نے رات کو اس کمرے کی کھڑکی کھلی دیکھی۔اور اس میں سے ستار بجنے کی آواز آ رہی تھی، صاحب۔"

"ستار بجنے کی۔" آواز پھر رمیش کے حلق میں اٹک گئی۔

"ہاں، صاحب، اور، اور... میں نے بیٹری سے جب اندر لائٹ ڈالی تو..."

"تو کیا ہوا؟" سلیم نے پوچھا۔

"باپ رے!" نیا ہیرو کانپ کر بولا۔ "مجھے روحوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔ یادگیر صاحب، میں وہاں نہ جاؤں گا۔" وہ بری طرح خوفزدہ ہو گیا۔

"ہو سکتا ہے یہ سب اس کا وہم ہو۔ آپ لوگ اس طرح ڈر کیوں رہے ہیں۔ آخر ہم لوگ اتنے بہت سے اور پھر مرد ہیں۔"

"مرد! ہاں ہم مرد ہیں۔ ہم میدان مرد، آئی ایم ساری، مرد میدان ہیں۔" نئے ہیرو کو جیسے غیرت آ گئی۔

"مگر، اگر وہ سچ مچ صفیہ کی روح ہوئی تو..." سلیم نے جھرجھری لے کر کہا۔

"میری صفیہ کی۔" یادگیر کسی خیال میں کھو گیا۔ "مگر سب بکواس ہے۔ مرنے والے لوٹ کر نہیں آیا کرتے۔" اس نے سر جھٹک کر کہا۔

"مگر روحیں بہت سوں کی دنیا میں بھٹکا کرتی ہیں۔" رمیش بولا۔

"ہاں، دیکھیے نا ہمارے ایک گاؤں کے ایک ملا جی بیٹھے میں اچانک مر گئے تھے۔ مگر ان کی روح ان کی بکری میں اٹکی تھی۔ چنانچہ وہ روز رات کو آ کر اپنی بکری سے باتیں کیا کرتے تھے۔" نئے ہیرو نے بڑی معصومیت سے کہا۔ جس پر یادگیر ہنس پڑا۔

"ارے سچ، بڑی مونچھوں والے پیر صاحب کی قسم۔" اکوش کمار معصومیت سے بولا۔

"بڑی مونچھوں والے پیر صاحب؟" سلیم نے چونک کر پوچھا۔

Akram Allahabadi

"ہماری جاگیر میں ایک سفید پوش بزرگ گزرے ہیں، جن کے چہرے پر صرف مونچھیں ہی مونچھیں تھیں۔" اکوش کمار نے بتایا۔

"ایسا؟" سلیم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی ہاں۔ سرکار سچ فرما رہے ہیں۔ ان کے قبلہ والس صاحب بھی ان پیر صاحب کے پیر دبایا کرتے تھے۔" کا سکریٹری جلدی سے بیچ میں بول پڑا۔

"تم چپ رہو جی۔ تم کیا جانو یہ درویشی کی باتیں۔ ہمارے والد صاحب جاگیردار ہوئے تو کیا وہ خود بہت بڑے قطب ہیں۔" اکوش کمار نے سکریٹری کو گھورتے ہوئے جھاڑ سنائی۔

"ضرور ہوں گے۔ ضرور ہوں گے۔" سلیم نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"تو چلیے۔ چلا جائے اب۔" یاوگیر اٹھ کھڑا ہوا۔

"بابا، یا کہ وہیں، اسی بنگلے میں۔" اکوش کمار نے اٹکتی آواز میں پوچھا۔

"چلیے بھی، آپ بھی کہاں کی باتوں میں آگئے۔ ان پڑھ لوگ ایسے ہی وہم پرست ہوتے ہیں۔" یاوگیر نے اسے بازو سے تھام کر کھڑا کرلیا۔

"صاحب، آپ لوگوں کو بھروسہ آئے یا نہ آئے۔ میں نے تو جو کچھ اپنی آنکھوں دیکھا سچ سچ بتا دیا۔" چوکیدار نے معصوم لہجے میں کہا اور چابی یاوگیر کی طرف بڑھا دی۔

"ہاں ہاں، ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ۔" یاوگیر نے چابی لیتے ہوئے کہا۔ چوکیدار چپ چاپ چلا گیا۔ اور وہ لوگ تذبذب زدہ کیفیت میں اٹھ کر یاوگیر کے ساتھ باہر نکل آئے۔ باہر یاوگیر کی پرانی شیورلیٹ کار موجود تھی۔ وہ اس میں سوار ہو کر ولا روزینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

جب وہ اپنی کار بنگلے کے احاطے میں کھڑی کر کے بنگلے میں داخل ہونے لگے اس وقت سورج ڈوب چکا تھا اور شام کا اندھیرا گہرا ہونے لگا تھا۔ یادگیر اپنے ساتھ اپنے پرانے نوکر شیخو کو بھی لایا تھا۔ اور چوکیدار سے ان واقعات کو سن کر سب سے زیادہ اثر اسی پر ہوا تھا۔ وہ بری طرح خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔

شام کی دھندلی تاریکی میں ولا روزینہ کا سونا سونا ماحول کافی بھیانک معلوم ہو رہا تھا اور خاص کر ایسے حالات میں جب اس کے بارے میں اس قسم کی آسیبی روایت سنی جا چکی تھی۔

ان میں یادگیر اور نئے ہیرو کا کانا ساتھی کچھ سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ باقی لوگ چونکے ہوئے تھے۔ بنگلے کے بھائیں بھائیں کرتے ہوئے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے ان ہی لوگوں کو جو ہر وقت اور بلا تکلف یہاں پہلے آجایا کرتے تھے۔ آج ایک عجیب سی نامعلوم جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ ایک غیر ارادی اجنبیت جو وہ لاشعوری طور پر محسوس کر رہے تھے۔

یادگیر نے اپنے ہاتھوں سے باہر کے دروازے کا تالا کھولا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔ بظاہر ہر چیز یہاں اپنی ترتیب میں تھی۔ کمرے کے فرش پر اور اندر رکھے سامانوں پر ہلکی ہلکی گرد کی تہ جمی ہوئی تھی جو پھونک کرانے سے اڑ کر کمرے میں پھیلنے لگی۔ اس بنگلے میں ڈرائنگ روم کے علاوہ جس کی چھت میں ایک پرانا سا بجلی کے قمقموں والا فانوس لٹک رہا تھا۔ چار علیحدہ علیحدہ کمرے، ایک ڈبل روم اور باورچی خانہ، غسل خانہ وغیرہ تھے۔ بنگلے کی چھت گرجا نما، درمیان سے اوپر اٹھی ہوئی اور پختہ کیلیوؤں کی تھی۔ مسز یادگیر کا کمرہ سرے پر اور علیحدہ تھا۔ اور ڈبل روم خود یادگیر کے لیے وقف تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر یادگیر نے سوئچ دبا کر برقی بلب روشن کر لیے اور وہ سب ادھر اُدھر صوفوں اور کرسیوں پر جم گئے۔ یادگیر نے نوکر اور سلیم کو اسی وقت گاڑی لے کر کھانے وغیرہ کے لیے ضروری سامان لے نے بھیج دیا۔ ڈرائنگ روم اور برآمدے میں بھی روشنی کر دی گئی تا کہ اندھیرے میں اس احاطے سے آنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ وہ لوگ اب اپنے کپڑے

تبدیل کر کے ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔ یادگیر نے احاطے کی طرف کا برآمدے سے ملا ہوا کمرہ ان مہمانوں، ہیرو اور اس کے سکریٹری کے لیے مخصوص کر دیا۔ یہاں پلے سے دو پرانے لوہے کے پلنگ پڑے تھے، جن پر دو پرانے میلے سے گدے بچھے تھے۔ کمرے میں ایک تپائی اور ایک رائیٹنگ ٹیبل تھی جو شیلف کا کام بھی دیتی تھی۔ اس شیلف میں بہت سے پرانے فلمی غیر فلمی رسالے پڑے ہوئے تھے۔

اکوش کمار نے اپنے کانے سکریٹری کو بھی بھیج دیا کہ وہ کسی ٹیکسی پر ہوٹل سے سامان رکھ کر یہیں لے آئے اور اب بنگلے میں یادگیر، رمیش اور اکوش کمار رہ گئے تھے۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے سگریٹیں پھونکتے رہے اور ادھر ادھر کے حالات پر گفتگو ہوتی رہی۔ نئے ہیرو نے بیٹھے بیٹھے روحوں کا فلسفہ چھیڑ دیا۔

"یہ روحیں مرنے کے بعد بھی کیسے لوٹ آتی ہیں؟" وہ پوچھنے لگا۔

"خدا جانے؟" یادگیر اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے یہ تو آج تک کوئی سمجھ نہیں سکا۔" وہ ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولا۔

"مسز یادگیر کیا بیمار تھیں؟" نئے ہیرو کے اس سوال نے یادگیر کو ذرا سا چونکا دیا، لیکن اس کی اس کیفیت پر یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ آیا وہ اس ذکر سے چونکا ہے یا بیماری کے نام پر۔ بہر حال اس نے چند سیکنڈ خاموش رہ کر سر جھکا لیا اور رمیش و اکوش کمار یہ دیکھ کر اس کی طرف جھک گئے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے وہ بھاری بھرکم اور اب تک پرسکون نظر آنے والا آدمی ذرا سی ٹھیس پر رو دیا تھا۔

"معاف کیجیے گا، یادگیر صاحب، میں نے مرحومہ کا ذکر چھیڑ کر آپ کا دل دکھا دیا۔" نیا ہیرو سنجیدہ ہو کر بولا۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ سرد سانس لے کر کہنے لگا۔ "یہ روگ تو اب زندگی بھر کا ہے۔

"وہ جو گئی اب کہاں لوٹنے کی ہے۔" یہ کہہ کر وہ رومال سے اپنے آنسو خشک کرنے لگا۔ "مجھے

اس سے بہت محبت تھی۔ بہت ....اور اسے بھی، مگر... مگر کیا معلوم تھا کہ وہ اتنی جلدی اس طرح مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی۔"

یادگیر کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ اس پر اکوش کمار اور رمیش دونوں اسے سمجھانے لگے۔ اور کچھ دیر بعد اس کی جذباتی کیفیت اعتدال پر آگئی۔ وہ پھر پہلے کی طرح پرسکون نظر آنے لگے۔ ابھی زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ شیخو اور سلیم بھی بازار سے لوٹ آئے۔ اور سلیم کی مدد سے شیخو نے اس سب کے لیے کھانا تیار کرنا شروع کر دیا۔ تقریباً نصف گھنٹے بعد ہی نئے ہیرو کا سکریٹری بھی ایک ٹیکسی میں دو سوٹ کیس اور دو بستر ے لیے آپہونچا۔ اور پھر اس ویران مکان میں ایک خاصہ جھمکلا لگ گیا۔ اکوش کمار اسر کا نا سکریٹری ان کے لیے مخصوص کردہ کمرے میں اپنے بستر لگانے چلے گئے۔ اور یادگیر اور رمیش تاش کھیلنے لگے۔

"مرغا تگڑا معلوم ہوتا ہے؟" رمیش نے پتا پھینکتے ہوئے آہستہ لہجے میں کہا۔

"سالا بیوقوف ہے اول نمبر کا۔ ہیرو بننے آیا ہے!" یادگیر مسکرایا۔

"تو بنا دیجیے ہیرو۔"

"لاکھ دو لاکھ کے چکر میں آئے تو مہورت کر کے کاٹ دیں۔"

"آئے گا۔ جب اتنے بڑے جاگیردار کا لڑکا ہے تو کچھ مشکل نہیں۔"

"تو تم ہی اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرو۔ میں بظاہر بے نیاز رہوں گا تا کہ اسے شبہ بھی نہ ہو کہ ہم اس پر ڈورے ڈال رہے ہیں۔" یادگیر نے رمیش کا ہاتھ دبا کر اسے آہستہ سے سمجھایا۔

"اس کے اچھے بھی بچ کر نہیں جا سکتے اب۔" رمیش مٹھی بھینچ کر بولا۔ "ایسے الوؤں کے لیے رمیش کے پاس بہت سے جادو ہیں۔"

"سلیم کو ابھی اس اسکیم سے غافل ہی رکھنا۔ وہ ذرا احمق قسم کا آدمی ہے۔" یادگیر نے رمیش کو سمجھایا۔

"بس میں اور آپ، یعنی ففٹی ففٹی۔"

"پہلے کام بعد میں حساب کتاب۔"

نگران کا سلسلۂ گفتگو کسی کے قدموں کی چاپ سے منقطع ہو گیا۔ اکوش کمار واپس لوٹ آیا تھا۔

"یاد گیر صاحب، اس کمرے میں جو پلنگیں بچھی ہیں وہ شاید آثار قدیمہ سے تعلق رکھتی ہیں۔" وہ بولا۔

"نہیں، وہ تو پچھلے سال ہی یاد گیر صاحب نے اپنے مہمانوں کے لیے نئی خریدوائی تھیں۔ یا شاید خالی پڑے پڑے زنگ لگ گیا ہو۔" رمیش بیچ میں بول اٹھا۔

"گدّوں کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟" اکوش کمار نے منھ چبا کر پوچھا۔

"گدّے! کیوں گدّوں کو کیا ہوا؟"

"گھوڑے کے پیشاب کی بو آ رہی ہے ان سے۔"

"سیلن کی وجہ سے۔" یاد گیر بول پڑا۔ "دراصل یہ نوکروں کی لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔ آپ آج کی رات کسی طرح بسر کر لیجیے میں کل آپ لوگوں کے لیے نئے گدّے منگوا دوں گا۔"

"نہیں، نہیں، مم... میرا مطلب یہ نہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ میرے ابا حضور مجھے کبھی مخملی گدّوں سے نیچے نہیں سونے دیتے تھے۔ اس لیے عادت بگڑی ہوئی ہے۔ ویسے ہیرو بننے کے لیے تو میں گھاس پر بھی سو سکتا ہوں۔" اکوش کمار نے اپنے جذبۂ شوق کا اظہار کیا۔

"آپ ضرور ہیرو بنیں گے۔ ایسی ہی لگن انسان کو کامیاب بناتی ہے۔"

"آپ سچ کہہ رہے ہیں۔" اکوش کمار نے بے وقوفوں کی طرح آنکھیں جھپکا کر پوچھا۔

"یاد گیر صاحب کا وعدہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے، اکوش صاحب۔ اور پھر ان کی توجہ جس پر ہو گئی وہ ایک دم اسٹار بن جاتا ہے۔"

"اسٹار یعنی ستارہ۔"

Akram Allahabadi

"جی ۔ فلمی آسمان کا ستارہ، اور وہ بھی اے ون ۔"

"اوہ، تب تو میں خوش قیمت ... آئی ایم ساری، خوش قسمت ہوں ۔ اب میں ہندوستان کا سب سے بڑا ہیرو بن کر اشوک کمار کے ناک کان کاٹ کر چیل کوؤں کو کھلاؤں گا ۔"

اکوش کمار نے سینہ پھلا کر گھونسہ ہوا میں بلند کرتے ہوئے کہا ۔

"ہاں، ہاں، ضرور ضرور ۔"

"مگر... مگر ..." اکوش کی آواز حلق میں ہی اٹکنے لگی ۔ "میری مادہ بھی کوئی ہوگی نا ۔" وہ حسرت زدہ لہجے میں بولا ۔

"مادہ؟" یادگیر اور رمیش ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے ۔

"میرا مطلب ہے ہیروئن ... مائی ہیروئن ... مائی سوئٹ ۔ کیوں کہ بغیر ہیروئن کے ہیروئن کے ہیرو لنڈورا رہتا ہے ۔" وہ تشریح کرنے لگا ۔

"کیوں نہ ہوگی ۔ بلکہ ہم آپ کی پسند کی ہیروئن لیں گے ۔" رمیش نے پولس پالش شروع کردی ۔

"واقعی ۔"

"ہیروئن اگر ہیرو کی پسند کی نہ ہو تو فلم کے رومانس میں حقیقت جیسا رنگ پیدا نہیں ہوتا ۔" یادگیر بھی بول پڑا ۔

"خدا آپ کو یونیورسل انٹرنیشنل بنائے ۔ میں آپ کا احسان مند رہوں گا ۔"

"یونیورسل انٹرنیشنل؟" یادگیر نے چونک کر دوہرایا ۔

"ہاں ہاں، وہ جو امریکہ کا بہت بھاری پروڈیوسر ہے ۔"

"اوہ ۔" وہ مسکرایا ۔ "پروڈیوسر نہیں، یہ فلم کمپنی کا نام ہے ۔" یادگیر نے بتایا ۔

"آئی ایم ساری، میں پروڈیوسر سمجھا تھا ۔"

"اچھا آیئے تھوڑی دیر تاش ہو جائے ۔"

Akram Allahabadi

"مجھے تاش کھیلنا نہیں آتا۔" اکوش کمار نے بچوں جیسا منھ بنا کر کہا۔

"چلیے، ہم سکھادیں گے۔" رمیش نے زبردستی اسے کھیل میں شریک کرلیا۔

جب تک وہ لوگ تاش کھیلتے رہے۔ سلیم اور شیخو کا ھنے کے انتظام میں مصروف تھے۔ اور نئے ہیروکا کا سکریٹری تب تک بنگلے کے احاطے میں ٹہلتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

آوارہ روح

کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے میں انھیں ساڑھے دس بج گئے۔اس کے بعد وہ اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے۔شیخو اور سلیم کا ذہن اب تک چوکیدار کے بیان کردہ واقعہ سے متاثر تھا اس لیے وہ ایک ساتھ ہی یادگیر اور رمیش والے کمرے سے ملے ہوئے کمرے میں سوئے۔اکوش کمار کے کمرے کی بتی ابھی تک روشن تھی۔وہ دونوں شاید جاگ رہے تھے۔

"یادگیر کی بیوی کی روح کے بارے میں کیا خیال ہے" کانے سکریٹری نے لیٹے لیٹے کروٹ لے کر اس سے پوچھا۔

"میری سمجھ میں تو نہیں آیا ابی تھ۔یہ بات تو تسلیم شدہ ہے کہ وہ مرچکی ہے اور اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم بھی ہو چکا ہے۔اب رہی اس کی روح،تو بندہ تو ان فضولیات کا قائل نہیں۔"اکوش کمار نے جواب دیا۔

"بالے صاحب،دنیا کے لاکھوں عقل مندوں کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔روح کا وجود ہوتا ہے اور بعض حالات یں لع ۳ض آدمیوں کی روحوں کو بھٹکتے بھی دیکھا گیا ہے۔یہ آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔" کانے سکریٹری نے بحث چھیڑ دی۔

"میں صرف آنکھوں دیکھی چیزوں پر یقین رکھتا ہوں۔"بالے نے مختصر سا جواب دیا۔

"لیکن بعض ایسی روحون کو بھی بھٹکتے دیکھا گیا جنھیں بے دردی سے کہیں قتل کردیا گیا تھا۔کیا ایسا ہی یہاں بھی ممکن نہیں۔"سکریٹری نےکہا۔

"رؤف بھائی موچھیں تو اللہ نے اپنے رحم وکرم سے بڑی بڑی عطا ہی کردی ہیں

داڑھی بھی بڑھا لو اور کسی مزار پر جا بیٹھو۔فلسفۂ روحانیت کے مریضوں کے لیے بہترین علاج یہی ہے۔"بالے جھنجھلاتے ہوئے آواز میں بولا۔

"خدا تمھیں غریق لعنت کرے۔بات کرو تو کاٹنے دوڑتے ہو۔" یہ کہہ کر رؤف نے رخ پھیرنا چاہا۔لیکن پھر کمرے کے باہر کسی کھٹکے کی آواز سن کر دونوں نے چونک کر اسی طرف اپنے کان لگا دیے۔

"سکریٹری۔" بالے بولا۔

"یس سر۔"

"ہمیں ڈر لگ رہا ہے۔"

"درود وغیرہ پڑھیے،اللہ رحم کرے گا۔"

"تم باہر جا کر دیکھو،کوئی بھوت ووت تو نہیں آ گیا۔"

"دیکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر رؤف اٹھا اور ہاتھ میں ٹارچ لے کر باہر نکل گیا۔وہ تھوڑی دیر میں ہی واپس آ گیا۔

"کوئی نہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"میں سمجھا کوئی چھپ کر باتیں سن رہا ہے ہماری۔" بالے نے جواب دیا۔

"میں احاطے وغیرہ میں گھوم پھر کر دیکھ چکا ہوں۔بظاہر تو خطرے کی کوئی علامت نہیں۔بلکہ میرا تو خیال ہے کہ یہ لوگ ہمیں سوفی صدی الو لکھ کر ہم سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہیں۔" رؤف بولا۔

"یعنی جاگیردار کا اکلوتا نورالعین سمجھ کر۔"

"بالکل۔"

"مگر جب بھی بیوی کی موت کا تذکرہ آتا ہے وہ رو دھو کر معاملہ گول کر دیتا ہے۔اس طرح تو آمدم بر سر مطلب کا موقع نہ جانے کب آئے۔"

Akram Allahabadi

''اتفاق سے ہم بہت موزوں طریقے پر ان کے قریب آ گئے ہیں۔ اور صبر کا پھل میٹھا ہی ہوگا۔''

''لیکن اگر واقعی یادگیر سچا نکلا اور شبال کا شبہ غلط ہوا تو؟''

''تب بھی نقصان کیا ہے۔ ہیرو بننے کا عیش تو کر رہے ہو۔''

''تم کیا جانو، رؤف بھائی، کہ جس سرزمین پر ایک نرم و نازک خوبصورت سی حوا کی بیٹی نہ ہو وہ میرے لیے کتنی بنجر ہوتی ہے۔ میرا تو جی چاہ رہا ہے کہ چیخ چیخ کر روؤں۔''

''اب سو بھی جاؤ ورنہ مفت میں ان لوگوں کو شک ہو جائے گا۔'' رؤف نے آہستہ سے کہا۔

''ہائے، کیسے سو جاؤں۔ آتش غم ہجر و فراق بار گل اندام نمک حرام، آئی ایم ساری، سبک خرام سے سینہ جل کر کباب ہوا جا رہا ہے، رؤف بھائی۔ اور اس کباب میں تم... ہڈی ہو۔'' بالے بڑبڑاتا رہا۔

''خدا کے لیے بس کرو، بالے صاحب۔''

''نہیں بس کروں گا۔ میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایک فرعون نے پہاڑ کھود کر چوہا نکالنے کا حکم دیا ہے۔ رؤف باھ، تمہاری گھنی مونچھوں کی قسم، گریٹ انسلٹ۔'' وہ رؤف کو پریشان کرنے کے لیے اب بھی بڑبڑاتا جا رہا تھا۔

''میں اپنا بستر باہر برآمدے میں لگا لوں گا۔''

''ارے میں تو خدا سے یہی چاہتا تھا، نیک آدمی۔ آخر ایک یک چشمی سکریٹری اپنے باس کے برابر میں کیسے سو سکتا ہے۔''

''یہ بات ہے تو پھر چیخو جتنا جی چاہے۔ میں یہیں سوتا ہوں۔''

''ارے ارے، نہیں بھائی۔ دراصل تم برآمدے میں سو گئے تو اندھری رات میں نازل ہونے والی تمام بلائیں تمہاری نظر میں رہیں گی اور ادھر اندر میں نظر رکھتا ہوں۔'' بالے

Akram Allahabadi

نے تجویز پیش کی۔جس پر متفق ہو کر رؤف نے برآمدے میں اپنا بستر لگا دیا اور بالے تھکن کی وجہ سے تھوڑی ہی دیر میں نیند کے خراٹے بلند کرنے لگا۔

اکیلے ٹیلے کے اس ویران بنگلے میں جو رات کے اندھیرے میں پہلے ہی کم خوفناک نظر نہ آتا تھا اس وقت سونے والوں کے مدھم اور تیز خراٹوں اور مینڈکوں اور جھینگروں کی مسلسل ٹراہٹ نے اور زیادہ وحشتناک بنا دیا تھا۔ یہ عام گزرگاہ بھی نہ تھی کہ کوئی راہ چلتا،قدم بھٹکاتا ادھر آنکلتا۔رات کو پر ہول سناٹا ہر طرف مسلط تھا کہ اچانک کسی کی خوفزدہ چیخوں سے خاموش فضا لرز اٹھی۔سب سے پہلے بالے ہڑبڑا کر اٹھا اور جب وہ بغیر کون پہنے نارچ لیے برآمدے کی طرف دوڑا تو اس طرف سے رؤف دوڑا آرہا تھا۔دونوں ٹکرا گئے۔

"کون ہے؟" بالے کے منھ سے نکلا۔

"تم کون ہو؟" یہ آواز رؤف کی تھی۔

"لاحول ولاقوۃ۔تو کیا تم چیخ رہے تھے؟"

"نہیں چیخوں کی آواز سلیم والے کمرے کی طرف سے آئی تھی۔" رؤف نے بتایا۔

وہ ابھی ڈرائنگ روم تک ہی پہنچے تھے کہ اپنے کمرے سے رمیش بھی نکل آیا۔مگر یادو گیر اس کمرے کے پچھلے حصے میں شاید ابھی تک سویا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے؟" رمیش نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کیا آپ نے وہ چیخیں نہیں سنیں۔" رؤف نے اظہار حیرت کرتے ہوئے پوچھا۔

"ان ہی چیخوں نے تو مجھے سوتے سے چونکایا ہے۔" رمیش بولا۔

"چلیے دیکھا جائے۔" بالے خود ہی آگے آگے ہولیا۔

"سرکار،آپ آگے آگے نہ جایئے۔" رؤف نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"ہونہہ،تم کیا ہم کو کسی کمسن ڈلائیلا سے کم سمجھتے ہو۔" بالے نے سینہ تان لیا۔

"ڈلیلہ،عورت تھی۔" رؤف نے آہستہ سے اس کے کان میں بولا۔

Akram Allahabadi

"جانتا ہوں، جانتا ہوں ۔ مجھے عقل مت سکھاؤ ۔میری زبان بلینک ورس شاعری کی طرح آزاد ہے ۔جو جی چاہے گا، بکوں گا ۔"

"شوق سے بکیے ۔" رؤف نے برا سامنہ بنالیا۔

اور اس طرح بڑبڑاتے وہ ڈرائنگ روم والے کاریڈور سے گزر کر اس کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے جس میں شیخو اور سلیم سوتے تھے ۔اس کمرے کی پشت پر بھی ایک چوڑا برآمدہ تھا۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ بالے نے اسے کھٹکھٹانا شروع کیا۔ پہلی دستک پر تو اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ لیکن دوسری دستک پر اندر سے ایک کانپتی وہی آواز سنائی دی۔

"تم کون ہو؟" یہ آواز سلیم کی تھی ۔

"ہم ،ہم ہیں ۔" بالے نے باہر سے جواب دیا۔

"اوہ، آپ لوگ آ...آ گئے ۔" کانپتی ہوئی آواز میں کوئی یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ بالے نے ٹارچ روشن کر کے دیکھا۔ کمرے کے پچھلے ورانڈے کے دروازے کے نزدیک برآمدے میں شیخو بے ہوش اوندھا پڑا تھا۔

"کیا بات تھی ۔" رمیش نے اس سے پوچھا۔

"بب، بابا، بات .....وہ ررررر...رُوح... ضرور مسز یاد گیری کی ...ہوگی ۔" وہ حلق میں تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

"روح... مسز یاد گیری کی...؟" بالے نے چونک کر پوچھا۔

"میں نے بھی ایک سایہ برآمدے کے اس کونے تک جاتے جاتے غائب ہوتے دیکھا ہے ۔وہ اس اندھیرے کنج کی طرف سے آیا تھا۔" رؤف بھی بول اٹھا۔

"تم نے کیا دیکھا ۔" رمیش نے سلیم سے پوچھا۔

"شیخو ٹارچ لے کر باہر پیشاب کرنے گیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے میرے سرہانے سے ٹارچ نکالی ۔تو میں بھی جاگ اٹھا اور میں نے اس کے جانے کے بعد دومنٹ

Akram Allahabadi

بعد ہی اس کے چیخنے کی آوازیں سنیں۔اور جب تک دروازے تک دوڑوں وہ بھاگتا ہوا آ کر برآمدے میں اوندھے منھ گر پڑا۔اس وقت میں نے باہر جھانک کر صرف اتنا دیکھا کہ ایک سفید سا سایہ جو کسی عورت کا معلوم ہوتا تھا، باہر ہی باہر لہراتا ہوا برآمدے کے اس سرے تک پہنچ کر غائب ہو گیا۔"سلیم نے سہمے ہوئے لہجے میں انھیں بتایا۔

"اور مسٹر یا دگیر کہاں ہیں؟" بالے نے پوچھا۔

"وہ... وہ اپنے کمرے میں ہی ہوں گے۔شاید ان کی آنکھ ابھی تک نہیں کھلی۔" رمیش نے بتایا۔

"آپ ہوشوکو، آئی ایم ساری، شیخو کو ہوش میں لائیے۔ہم لوگ باہر دیکھتے ہیں۔" بالے نے سلیم سے کہا اور "آئیے رمیش صاحب" کہتا ہوا اسی دروازے سے باہر نکل گیا۔ رؤف اس کے ساتھ تھا اور رمیش پیچھے پیچھے۔ٹارچوں کی مدد سے انھوں نے بنگلے کا دروازہ، احاطہ اور اس کی خشک و سبز جھاڑیاں اور کنج سب چھان مارے۔مگر وہاں تو کچھ بھی نہ تھا۔بنگلے کے احاطے میں ہی بنے ہوئے سرونٹس کوارٹرز بند اور ویران پڑے تھے۔احاطے کا دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔اور اس کی دیواریں اتنی اونچی تھیں کہ کسی کے کود کر آنے کا احتمال ہی نہ ہو سکتا تھا۔اس کے بعد انھوں نے بنگلے کے کمروں کی تلاشی شروع کر دی۔جس وقت وہ یا دگیر کے کمرے میں پہنچے تو وہ یہ دیکھ کر چونک پڑے کہ وہ فرش پر لڑھکا پڑا تھا۔شاید وہ کسی وجہ سے بے ہوش ہو گیا تھا۔

"یہ لیجیے۔آپ بھی اٹا غفیل ہو گئے۔" بالے ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر ڈال کر بولا۔

"سکریٹری۔" اس نے رؤف کی طرف رخ کیا۔

"یس سر۔"

"مجھے چکر آنے کے وقت تم کیا لا بلا سنگھایا کرتے ہو۔وہی سنگھاؤ، شاید ہوش میں

آجائے۔" وہ بولا۔ اور رؤف نے تعمیل کرتے ہوئے جیب سے ڈسنو نکال کر اس کی ناک سے لگادی۔ یادگیر کو جلد ہی ہوش آگیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اندھیرے میں گھورنے لگا۔ یہ دیکھ کر رمیش نے کمرے کی دیوار گیر سوئچ دبا کر لائٹ آن کر دی اور یادگیران لوگوں کو دیکھ کر چونک پڑا۔

"وہ کون...؟ وہ کہاں گئی؟" اس نے سوال کیا۔

رمیش اس پر جھک کر بولا۔ "کون؟"

"وہ... وہ ضرور صفیہ تھی... بالکل وہی۔"

"صفیہ بیچاری کی تو ہڈیاں بھی اب گلنے لگی ہوں گی قبر میں۔ آپ نے ضرور کوئی خواب دیکھا ہوگا۔" رمیش نے کہا۔

"تو پھر وہ اسی کی روح تھی۔ اسی کی روح... آہ..." یادگیر نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ "وہ کیوں بے چین ہے... رمیش... وہ کیوں بھٹک رہی ہے۔" یہ کہتے کہتے اس کی آواز روندھی ہوگئی۔ اس نے رمیش کا کالر تھام لیا۔ "چوکیدار سچ کہتا تھا، رمیش... میری صفیہ کی روح ضرور کسی وجہ سے بھٹکتی پھر رہی ہے۔"

"مسٹر یادگیر، آپ نے ذرا سنون وہمت... اوہوں... کیا زبان ہے کمبخت، مطلب ہے ذرا سکون وہمت سے کام لیجیے۔ وہ آپ کا وہم رہا ہوگا۔"

"نہیں۔" یادگیر زور سے چیخا۔ "میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسے۔ ان ہی آنکھوں سے جو اس وقت آپ کی شکلیں دیکھ رہی ہیں۔ کیا یہ بھی وہم ہے۔" وہ بولا۔

"کیا دیکھا آخر آپ نے؟" رؤف نے پوچھا۔

"وہ اس کھڑکی میں کھڑی ہو کر مجھے بلا رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے تھی۔ وہ بہت بے چین نظر آتی تھی۔"

"مگر آپ نے اندھیرے میں اس کی شکل کیسے دیکھ لی۔" بالے سوال کر بیٹھا۔

Akram Allahabadi

"اس وقت میرے کمرے کی لائٹ آن تھی۔ میں اسے دیکھ کر ڈر گیا اور میں نے بتی بجھا دی۔ مگر..."

"مگر کیا؟"

"مگر پھر مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کھڑکی سے داخل ہو کر میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور میں... میں... پھر مجھے یاد نہیں۔ شاید میں دہشت زدہ ہو کر بستر تک پہنچنے سے پہلے گر پڑا تھا۔" یادگیر نے پریشان اور لرزتے لہجے میں بتایا۔

اس کے اس بیان کا اثر دوسروں پر پڑنے بغیر بھی نہ رہ سکا۔ رمیش اور بالے حتیٰ کہ رؤف بھی اس کی اس کیفیت سے متاثر نظر آنے لگے۔

"کوئی بات نہیں، یادگیر صاحب، آپ اس وقت ہم لوگوں کے درمیان ہیں۔ آپ نے جو کچھ دیکھا ہے اسے بھول جایئے۔ کبھی کبھی احساس کی شدت بھی کچھ ایسی شکلیں اختیار کر لیتی ہے۔" رمیش نے اسے سمجھانا چاہا۔ اور سر جھکا کر خاموش ہو گیا۔ اتنے میں سلیم، شیخو کو بھی وہیں لے آیا۔ شیخو بری طرح ڈرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ اب تک اڑا ہوا تھا۔ وہ آئیں بائیں شائیں بک رہا تھا۔

"کیا دیکھا تھا تم نے۔" رمیش نے شیخو سے پوچھا۔

"مم.. مالکن... او خدا... وہ مالکن کی روح تھی۔ سفید کفن میں لپٹی ہوئی... میں پیشاب کر کے لوٹ رہا تھا، تب میں نے اسے اندھیرے میں پیدا ہوتے دیکھا اور جب میں نے اس پر ٹارچ کی روشنی ڈالی تو..." کہتے کہتے وہ پھر لرز اٹھا۔

"کتنی دور سے دیکھا تھا تم نے۔" بالے نے پوچھا۔

"بس دس، پندرہ قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ مم... میں... ڈر کے مارے چیخ مار کر بھاگا اور مجھے برآمدے میں ٹھوکر لگ گئی... پھر... پھر نہیں معلوم کیا ہوا۔" شیخو نے بتایا۔

خود یادگیر اور پھر شیخو اور سلیم کو نظر آنے والی اس روح کے بارے میں، جن کی ہلکی

Akram Allahabadi

سی جھلک رؤف نے دیکھی تھی ۔اس وقت سب ہی اپنی اپنی جگہ سوچ رہے تھے ۔بظاہر وہ اکٹھا ہوتے ہوئے مطمئن نظر آرہے تھے ۔مگران کے چہرے بتارہے تھے کہ وہ کسی نامعلوم سے خوف سے لاشعوری طور پہ متاثر ہیں ۔ایک سفید کفن میں لپٹی ہوئی بھٹکتی ہوئی روح کا خوف ۔ اور بالے کا ماتھا فوراً ٹھنکا تھا۔

"کہیں یہ واقعی اسے قتل تو نہیں کیا گیا ہے جو اس کی روح اس طرح بھٹکتی پھر رہی ہے۔" یہ سوچتے ہوئے بالے کو جھرجھری سی آگئی ۔وہ سب گم سم اس کمرے میں جمع تھے اور کوئی کسی سے گفتگو کرنے کے لیے تیار نہ معلوم ہوتا تھا۔

مگر ایک آواز نے اچانک ان سب کو چونکا دیا ۔کسی کے قدموں کی مدھم سی چاپ...

"کوئی ہے۔" رؤف نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں ...جیسے کوئی چل رہا ہے۔" رمیش کی گھٹی ہوئی آواز سنائی دی اور بالے نے دیکھا کہ یادگیر اس تذکرے پر اور خوف زدہ سا ہو گیا۔

'آواز باورچی خانے کی طرف سے آرہی ہے۔' شیخو نے ڈرتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو بلی، چوہا ہوگا کچھ۔" بالے بولا۔

"نہیں یہ تو جیسے کسی کے پیروں ک چاپ ہے۔" رمیش کان کھڑے کرتے ہوئے بولا۔

"تو آؤ، دیکھ لیں۔" بالے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہم اکیلے!" رمیش کے منہ سے نکلا

"بے جانے بوجھے ڈرنا کیسا۔پتا نہیں کوئی چور ہی گھس آیا ہو تو۔" بالے نے اس کی ہمت بندھائی۔

"اتنی اونچی فصیلوں والے احاطے میں چور کیسے گھس سکتا ہے۔" یادگیر بول پڑا۔

Akram Allahabadi

"چلیے سب ملکر چلیں۔" بالے نے تجویز پیش کی اور اس پر متفق ہو کر وہ سب ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ شیخو سہما ہوا سا ان کے بیچ بیچ گھسا جا رہا تھا۔ اسے آگے چلنے میں بھی خوف محسوس ہو رہا تھا اور پیچھے چلنے میں بھی۔ جب وہ باورچی خانے کے دروازے پر پہنچے تو وہ ہاتھ لگاتے ہی کھل گیا۔

"ارے! مگر میں تو اسے بند کر کے گیا تھا، صاحب۔" شیخو نے حیران ہو کر یا وگیر سے کہا۔

"تو پھر کیسے کھلا۔" رمیش بڑبڑایا اور بالے اور رمیش نے ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے ایک ساتھ اندر داخل ہو کر کمرے کا بلب روشن کر دیا۔ مگر وہ سب یہ دیکھ کر چونک پڑے کہ اندر کھانا کھانے کی آہنی ٹیبل پر رکھا ہوا اسٹو اس وقت جل رہا تھا۔ اس میں سے شعلے نکل رہے تھے اور اس کے اوپر ایک دیگچی چڑھی ہوئی تھی، جس میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔

"باپ رے!" شیخو کانپ کر منہ ہی منہ میں دعائیں پڑھنے لگا۔ بالے اور رمیش نے باورچی خانے کا کونہ کونہ دیکھ ڈالا، مگر وہاں تو کوئی بھی نہ تھا۔ اچانک شیخو کی نظر اس دیگچی کے اندر جا پڑی۔ وہ ایک دم اچھل پڑا۔

"یہ تو دیکھیے، صاحب۔" وہ انھیں اس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولا۔ اور ان لوگوں نے قریب آکر دیکھا۔ دیگچی میں پانی کھول رہا تھا اور اس میں تیرتے ہوئے چوہے پڑے سے ابل رہے تھے۔ بالے نے فوراً رومال سے ناک بند کر لی اور باہر کی طرف بھاگا اور اس کے بھاگتے ہی وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے اور کسی کی یہ ہمت بھی نہ ہوئی کہ باورچی خانے کا دروازہ تک بند کر دے۔

اور باقی تمام رات انھوں نے ڈرائنگ روم میں ایک ساتھ لیٹ کر گزاری۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

چڑھ جا بیٹے سولی پر

"یہ رہی اس بھوت خانے کی رپورٹ اور یہ رہا بالے صاحب کا استعفیٰ۔" بالے نے صبح دس بجے ہی خان کے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کیا وحشت کیا ہے۔" خان اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"آپ یہاں ہنس رہے ہیں اور وہاں تمام رات اپنا بھرکس نکلتا رہا۔"

"زیادہ کھا گئے تھے کیا؟"

"جی ہاں۔ وہاں عالم بالا سے آئی ہوئی ایک بھٹکتی روح نے ہم لوگوں کے لیے چوہوں کی یخنی پکائی تھی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب اتنا خطرناک ہے کہ بجائے مجھ سے سننے کے آپ خود ہی وہاں ایک رات رہ کر ملاحظہ فرما لیجیے۔"

"بس ایک رات میں ہی چولیں ڈھیلی ہو گئیں، بیٹے۔ تم سارجنٹ پولیس ہو یا بدایوں کے للّا۔" خان نے اسے غیرت دلائی۔

"پانی مت چڑھایئے۔ بندہ اپنے ماں باپ کی فالتو اولادوں میں سے نہیں ہے۔"

"آخر کچھ بکو بھی۔ ہوا کیا جو جان سوکھی جا رہی ہے تمہاری۔"

"طلسم ہوشربا کا ایک باب۔ فسانہ عجائب کا ایک سلسلہ۔"

"کوئی واقعہ ہو گیا کیا؟"

"واقعہ... اجی قبلہ... واقعہ کا بھی باپ ہوا ہے۔"

یہ کہہ کر بالے نے رات کے تمام واقعات خان کو سنا ڈالے اور خان یہ سن کر سنجیدہ

Akram Allahabadi

ہوگیا۔

"لیجیے اب خود سنجیدہ ہو گئے۔اجی میں پوچھتا ہوں مجھے وہاں کیوں اکیلے چھوڑ دیا گیا ہے۔"

"تو کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اس بنڈل بازی پر یقین کرلوں گا۔"

"ہائیں..تو آپ اسے بنڈل بازی سمجھ رہے ہیں گویا۔"

"کسی طرح کی آمد...قدموں کی چاپ...چوہوں کی چیخنی... یہ سب بکواس نہیں تو اور کیا ہے۔"

"میں اپنی ہونے والی اہلیہ اور اس کے عیال کی قسم کھاتا ہوں۔"

"بکومت،جا کر سیدھے سیدھے اپنا کام کرو۔وہاں میں سب دیکھ لوں گا۔"

"یعنی پھر اسی جگہ۔"

"جب تک تمہارا مقصد پورا نہ ہو جائے،وہیں رہو۔"

"اور وہ روح۔"

"وہ تمہیں کھا تو نہ جائے گی۔اگر واقعی وہ اس کی روح بھی ہے تو کیا ہوا،وہ تمہارا کچھ بگاڑ تو نہیں رہی۔"

"اور جو مجھ پر سوار ہو گئی؟"

"میں خود تمہارا فاتحہ پڑھ دوں گا۔"

"آپ شدید قسم کا ظلم کر رہے ہیں۔"

"میں اپنے ظلم کی شدت سے واقف ہوں۔اور ہاں اس طرح میرے پاس بھاگ کر آنے کی ضرورت نہیں۔جب تک کام ختم نہ ہو جائے وہیں رہو اور خاص کر یاد گیر کی کیفیتوں پر نظر رکھو۔"خان نے اسے ہدایت کی۔

"آپ سن لیں گے،دو چار دن میں وہاں سے بالے صاحب کی انا اللہ وانا الیہ

راجعون ہونے کی خبر آئے گی۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو؟" خان نے اسے چڑھانے والے موڈ میں پوچھا۔

"جی، بالے صاحب بقلم خود۔"

"جب تم مُردوں سے اس قدر ڈرنے لگے تو پھر زندوں سے کیا نپٹو گے۔"

"میں زندوں کا تو چٹنی، آچار، مربہ، بنا کر کھا سکتا ہوں مگر مُردوں سے مجھے واقعی ڈر لگتا ہے۔" بالے نے معصوم صورت بنا کر کہا۔

"میں نے کہا نا کہ تم وہیں رہو گے، بس۔ اور کچھ سننا نہیں چاہتا۔"

"خدا کرے یاد گیر ہی وہاں سے مکان بدل دے۔"

"وہ بھی وہیں رہے گا۔ اس کرکی میں اسے اور کہیں پناہ نہ ملے گی۔"

"اس روح کے ہاتھوں آپ ہم سب کا ستیاناس کرنے پر تلے ہوئے ہیں شاید۔"

"تمہارے کہنے کو اگر سچ سمجھا جائے تو روح صرف یاد گیر سے ہی انتقام لے گی۔ تمہیں کس بات ڈر ہے؟" خان نے پوچھا۔

"قبلہ، گیہوں کے ساتھ گھن بھی تو پس جایا کرتا ہے۔"

"جب پسے گا تب دیکھ لیں گے۔ ابھی سے مغز مت چاٹو۔"

"یعنی پھر روح آپ سے فریاد کرنے آئے گی کیا؟"

"میں روحوں وغیرہ کے معاملے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ اب میرا سر اور نہ کھاؤ۔"

"مگر!"

"تو کیا میں اپنے طور پر اس بات کی تحقیقات کروں۔ لیکن اب کیا تم اتنے بزدل بنگئے ہو کہ ان فضولیات کی آڑ لو؟"

"بزدل!" بالے کو اچانک غیرت آ گئی۔ "مابدولت اور بزدل! لاحول ولاقوۃ۔"

Akram Allahabadi

"تو پھر جاؤ اور حالات کا سامنا کرو۔"

"چل چڑھ جا بیٹے سولی پر۔" بالے نے اباؤٹ ٹرن ہوتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو۔" خان نے اسے روکا اور اپنی جیب سے کچھ نکالنے لگا۔ وہ کسی کی تصویر تھی۔

"کیا اس سے شادی کرنی ہوگی مجھے؟" بالے نے اس تصویر کو ہاتھ میں لے کر پوچھا۔ وہ ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی کی تصویر تھی ۸۔

"کیوں، پسند ہے؟" خان مسکرایا۔

"میں نے جن سات بیویوں کا شوہر بننے کا پروگرام بنایا ہے، انمیں سے یہ ایک ہوسکتی ہے۔"

"خیر، اسے جیمیں رکھو۔"

"تصویر کو یا تصویر والی کو؟"

"تصویر والی کا ابھی کہاں پتا ہے۔" خان بڑبڑایا۔ "ہاں تو تمھیں جس قدر میں کہوں صرف اسی قدر کرنا ہوگا۔"

"فرمایئے۔"

"خود بے تعلق رہتے ہوئے کسی طرح یہ معلوم کرو کہ آیا یہ لڑکی یا دگیر سے اس کے دفتر میں یا کسی جگہ ملنے آئی تھی۔ ہوسکے تو کسی اور طریقے سے جس سے کہ اسے شک نہ ہو، یہ تصویر اس کے سامنے کر کے اس کی کیفیت کا مطالعہ بھی کرنا۔"

"اور پھر اس مطالعہ پر ایک کتاب لکھوں جسے آپ معصوم بچوں کے نصاب تعلیم میں شامل کرادیں گے۔"

"بس اب جاسکتے ہو۔"

"آپ بڑی مختصر گفتگو کرنے لگے ہیں۔"

Akram Allahabadi

"میں نے تمہارے ہاتھ میں پانچ لاکھ روپے اور ایک مرڈر کا کیس دیا ہے اور اسے تم سے ہی حل کرانا چاہتا ہوں اس لیے کام کی باتوں پر ہی زیادہ دھیان دو۔"

"مرڈر کا... کس مرڈر کا... مسز یادگیر کا؟"

"یوں ہ سمجھ لو۔ سراغ تو اب تمھیں ہی لگانا ہے۔"

"شک تو مجھے بھی ہے کہ انشورنس کی رقم کی لالچ میں اس نے اپنی بیوی کو مار ڈالا ہے اور تبھی اس بیچاری کی روح بھٹکتی پھر رہی ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے اس روح سے وہ اس قدر خائف ہے۔" بالے نے کہا۔

"اب تم اپنے طریق کار سے کوشش کرو۔ پھر جب میری مدد کی ضرورت ہوگی میں دیکھوں گا۔ اس وقت مجھے اور بھی سے کام ہیں۔" خان یہ کہہ کر اپنے کاغذات دیکھنے لگا اور بالے اس کا مطلب سمجھ کر سلام کرتا ہوا باہر نکل آیا۔ اس کے جانے کے بعد کچھ سوچ کر خان نے ریسیور اٹھایا اور فون کا ڈائل گھمانے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

یادگیر اور رمیش اس وقت اپنے آفس یں میز پر سر جھکائے خاموش بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے۔ شاید انھیں انشورنس کمپنی کا جواب مل چکا تھا، جس نے ان کی تمام امیدوں پر سرد ست پانی پھیر دیا تھا۔ کل کی نسبت آج ان کے چہرے اترے ہوئے اور انداز پریشان تھے۔

"اب کیا کیا جائے۔ انشورنس کا معاملہ تو تیم چار مہینے پر مل گیا۔ اور اب ہمیں کوئی قرض بھی نہ دے گا۔" رمیش اداس لہجے میں بولا۔

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں کہ یہ گاڑی کیسے چلے گی۔ ادھر ڈسٹری بیوٹر سے پکچر اسٹارٹ کرنے کا بھی وعدہ کرلیا تھا۔" یادگیر پریشانی کے عالم میں سر کے بال نوچتے ہوئے

Akram Allahabadi

بڑبڑایا۔

"تو بس پھر وہی طریقہ۔" رمیش چٹکی بجا کر اچھلا۔ اس کی آنکھیں کسی خاص ارادے کے تحت چمک اٹھیں۔ یادگیر سوالیہ نظروں سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"اپنا نیا ہیرو۔"

"لیکن ابھی اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے نہ پر ابھی کٹے ہیں نہ وہ پوری طرح ہماری گرفت میں ہے۔"

"میں بتاؤں..." رمیش اس کے کان کے پاس منہ لا کر بولا۔ اور پھر وہ بہت آہستہ سے یادگیر کے کان میں کچھ کہتا رہا جسے سنتے سنتے یادگیر کے چہرے کا گیا ہوا رنگ لوٹنے لگا اور وہ مسکرا دیا۔

"یہ ہوئی کچھ بات۔" وہ کرسی پر پھیلا کر بولا۔ مگر پھر کسی خیال نے اسے فکرمند کر دیا۔

"اب کیا بات ہے؟" رمیش نے پوچھا۔

"میں صبح سے رات کے واقعات کے بارے میں بھی سوچ رہا ہوں۔" یادگیر نے مردہ لہجے میں کہا۔

"وہ روح۔" رمیش کو بھی یاد آ گیا۔ "شاید چوکیدار نے ٹھیک ہی کہا تھا۔"

"لیکن... لیکن وہ کیسے ہو سکتی ہے؟" یادگیر بڑبڑایا۔ "کیا مرنے والوں کی روحیں واقعی انتقام لینے کے لیے لوٹ آیا کرتی ہیں؟" وہ رمیش سے پوچھنے لگا۔

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا اور نہ اس پر یقین رکھتا ہوں۔ میرا تو اب بھی یہی خیال ہے کہ یہ سب کچھ وہم ہے۔"

"وہم نہیں ہے، رمیش۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا ہے۔"

"تو پھر مکان بدل دیجیے۔" وہ جلدی سے بولا۔ "لیکن۔" وہ پھر سوچ میں پڑ گیا۔

"اس کے سوا ہم سر دست جائیں گے بھی کہاں ۔ بینک بیلنس بھی تو اتنا نہیں کہ کوئی اور انتظام کر لیں ۔" اس نے کہا ۔ نگران کی گفتگو ادھوری رہ گئی کیوں کہ اسی وقت چپراسی آپہنچا ۔

"صاحب، نئے ہیرو صاحب کی سواری آرہی ہے ۔" وہ بولا ۔

"ذرا ڈبل مسکہ ۔" یاد گیر نے اسے آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ اس کا مطلب سمجھ کر مسکراتا ہوا چلا گیا ۔ بالے اور رؤف اپنی اسی ہیرو اور سکریٹری کی حیثیت میں جھومتے گنگناتے چلے آرہے تھے ۔ چپراسی انھیں دیکھتے ہی مؤدب ہو گیا ۔ پہلے تو اس نے انھیں فوجی طرز کا سلام پیش کیا اور پھر جلدی سے دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا ۔

"سکریٹری ۔" ہیرو کانے ساتھی سے مخاطب ہوا ۔

"لیس سر ۔" وہ مؤدب ہو کر بولا ۔

"دیکھا ہیرو بننے کا اثر ۔ ایک ہی دن میں سب کے مزاج بدل گئے ۔ بھائی سیلوٹ مار رہے ہیں ہمیں ۔" اس نے آہستہ سے کہا ۔

"ابھی کیا ہے، سر ۔"

"تو کار ۔"

"لیس سر ۔ میرا مطلب ہے ابھی کیا ہے ذرا آپ کی دو چار فلمیں تو ہٹ ہو جانے دیجیے، پھر دیکھیے ۔ آپ جدھر سے گزر جائیں گے، لوگ راستہ میں آنکھیں بچھا دیں گے ۔"

"وہ اندھے نہ ہو جائیں گے؟"

"میں نے مثالاً عرض کیا ہے ۔ یہ محاورہ ہے ۔"

"ہمیں بھونڈی مثالیں پسند نہیں ۔" وہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولا ۔

"پھر آ گئے لاڈ میں ۔" رؤف نے چپکے سے اس کے کان میں کہا ۔

"او ہاں ۔" بالے بلند آواز میں بولا ۔ "لاڈ میں، ملاڈ میں شاید بمبئی ٹاکیز ہے ۔" وہ بے تعلق انداز میں بکتا ہوا یاد گیر کی میز نزدیک پہنچ گیا ۔

"کیابات ہے، اکوش صاحب؟" یادگیر نے مسکرا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں، صاحب۔ سکریٹری سے بات ہو رہی تھی کہ بمبئی ناکیز بمبئی میں ہے اور میں کہہ رہا تھا کہ ملاڈ میں ہے۔"

"تو ملاڈ بھی تو بمبئی ہے، جناب۔" رمیش جلدی سے بول پڑا۔

"جی، کیا فرمایا آپ نے، بمبئی ملاڈ میں ہے۔"

"جی نہیں، ملاڈ بمبئی میں ہے۔"

"تب تو ہار گیا میں۔ اچھا سکریٹری تم اکاؤنٹ میں سے اپنے شرط جیتنے کی پانچ سو روپے کاٹ لو۔"

"پانچ سو کی شرط تھی اتنی سی بات پر۔" یادگیر نے پوچھا۔

"صاحب، جاگیردار لوگ ٹھہرے۔ موج میں آجائیں تو گاؤں کے گاؤں داؤ پر لگا دیتے ہیں۔" رؤف نے گویا تعریف کی۔ اور وہ دونوں اس سے متاثر ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

پھر یادگیر نے رمیش کو آنکھ سے کچھ اشارہ کیا اور وہ سر ہلا کر مسکرا دیا۔ اپنی کرسی وہ بالے کے قریب کھینچ کر بیٹھ گیا۔ "آپ کو ایک خوش خبری سنائیں۔" وہ بولا۔

"سنایئے۔" بالے پر اشتیاق لہجے مین پلکیں جھپکا کر بولا۔

"آپ کے لیے ہم نے ہیروئن ڈھونڈ لی ہے۔" رمیش نے آہستہ سے کہا۔

"ارے کیا سچ!" بالے حیرت سے اچھل پڑا۔ "سنا تم نے سکریٹری۔" وہ بھی رؤف کی طرف گھوم پڑا۔ "تم آج ہی ابا حضور کو خط لکھ دو کہ اب آپ کا نالائق بیٹا چند دنوں میں ہی ہندوستان کا مشہور ہیرو بن کر آپ کے نام کے ڈنکے بجوانے والا ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" یادگیر نے بھی مسکرا کر لقمہ دیا۔

"تو وہ کہاں ہے، ہماری ہیروئن۔ ہماری آنکھیں اسے دیکھنے کے لیے تڑپ رہی

Akram Allahabadi

ہیں۔"

"سر آنکھیں نہیں، دل تڑپا کرتا ہے۔"

"ہماری آنکھیں بھی تڑپتی ہیں، جی۔ تمہیں اس میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔"

"تڑپتی ہوں گی۔" رؤف بے بسی سے دونوں ہاتھ جھٹک کر بولا۔

"اچھا چلیے۔ آپ کو دکھا ہی دیں۔ آپ بھی کیا یاد کریں گے۔" رمیش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"یادگیر صاحب، آپ بھی چلیں گے نا؟"

"میں پھر کسی وقت مل لوں گا۔ تم ان کو ہی لے جاؤ۔ اور ہاں گاڑی جلدی واپس بھیجنا، مجھے ڈسٹری بیوٹر سے ملنے جانا ہے۔ آخر پکچر بھی تو جلدی ہی شروع کرنی ہے۔" یادگیر بولا۔

"تو چلیے، اکوش صاحب۔"

"چلیے۔" بالے بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور میں؟"

"تم بھی چل رہے ہو۔ سکریٹری بغیر ہیرو پھسپھسا معلوم ہوتا ہے۔" بالے نے کہا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ڈورے

یادگیر کی پرانی شیورلیٹ اسٹوڈیوز کے باہر کھڑی تھی۔ رمیش خود اسٹیئرنگ پر بیٹھ گیا۔ بالے اور رؤف بھی گاڑی میں بیٹھ گئے اور ان کی گاڑی مہالکشمی کی گٹر کے کنارے والی بستی کی طرف روانہ ہو گئی۔

"وہ ہماری ہیروئن کہاں واقع ہوئی ہے۔" بالے نے راہ میں رمیش سے پوچھا۔

"جوہو پر۔" رمیش نے کہا۔

"جوہو پر۔" رمیش نے کہا۔

"جوہو... آؤ کیا ریڈ انڈین نام رکھا ہے کسی نے۔"

"بمبئی میں چوپاٹی کے بعد غیرت مندوں کے ڈوب مرنے کی دوسری جگہ بھی وہی ہے۔" رؤف بول پڑا۔

"ڈوب مرو تم۔ یہ کیا بکواس ہے۔" بالے اس پر بگڑ گیا۔

"میں تو ایک عام بات عرض کر رہا تھا، سرکار۔"

"پھر وہی، سر۔" بالے نے اس کے سرکار لفظ پر آنکھیں دکھائیں۔

"کار میں تو موجود ہیں۔"

"او ہاں، ٹھیک ہے۔" بالے یہ کہہ کر چپ ہو رہا۔

تقریباً تین چوتھائی گھنٹے میں ان کی کار جوہو پہنچ گئی۔ وہ جوہو روڈ سے بھی آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ دو طرفہ ناریل کے اونچے درختوں اور سڑک کے کنارے اگی ہوئی بے ترتیب جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ جھونپڑے شروع ہو گئے، جن کے باہر یا تو چھوٹے چھوٹے باغیچے تھے، یا چھوٹے چھوٹے ترکاریاں لگانے والے خطے۔ ان کے ہی درمیان ایک

Akram Allahabadi

پختہ کبیلوں کے اور ایس بسٹس کی دیواروں سے بنائے گئے چھوٹے سے بنگلہ نما مکان کے سامنے ان کی کار رک گئی۔

باہر ایک میلے کپڑوں والا کالا سا لڑکا بیٹھا ایک گرے ہاؤنڈ کتے سے کھیل رہا تھا۔ جب وہ گاڑی سے اتر کر بنگلے میں داخل ہونے لگے تو کتے نے بھونکنا شروع کر دیا۔

"کتنا بدتمیز ہے یہ جانور۔" بالے نے رؤف کی طرف دیکھ کر بولا۔ "مہمانوں سے یہ سلوک۔"

"آپ کے استقبالیہ کی نظم پڑھ رہا ہوگا۔" رؤف نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہمیں بے وقوف مت بناؤ۔ کتے شاعر نہیں ہوا کرتے۔"

"آپ نے ان کے کاتک کی راتوں کے مشاہرے نہیں دیکھے شاید۔"

رمیش نے کتے کو پھٹکار دیا اور وہ چپکا ہو رہا۔ لیکن اس کے بھونکنے کی آواز سن کر کوئی باہر نکل آیا۔

بالے اسے دیکھتے ہی چونک پڑا۔ ہلکی سبز ساڑھی میں ملبوس، ایک شعلہ جوالہ، کچھ اپنی شکل اور کچھ اپنے سنگار سے وہ ایک حسن پرشباب کا مجسمہ معلوم ہو رہی تھی۔ ہرن جیسی آنکھوں کے سروں سے کھینچے ہوئے سرے کے ڈورے، انجکشن کی سوئیوں کی طرح بالے کے دل و دماغ میں چبھنے لگے اور کچھ دیر تو رؤف بھی اسے دیکھتا رہ گیا۔

"یہ کیا بے ایمانی ہے؟" بالے نے رؤف کو ٹھونکا دیا اور وہ چونک پڑا۔

"ہلو مسٹر رمیش۔" وہ مسکرا کر رمیش کی طرف بڑھی۔

"کیسی ہیں، شوبھا دیوی۔" رمیش نے دونوں ہاتھوں سے نمستے کرتے ہوئے کہا۔

"اچھی ہوں۔ دعا ہے آپ کی... اور آپ لوگ..." اس نے بالے اور رؤف کی طرف اشارہ کیا۔

"چلیے، اندر بیٹھیں... پھر تعارف کروں گا آپ لوگوں کا۔" رمیش دروازے میں

داخل ہوتے ہوئے بولا۔

اندر وہ ایک ڈرائنگ روم نما بڑے اور سادگی کے ساتھ آراستہ کمرے میں بید کے صوفوں اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ وہ مسکراتی نظروں سے بالے کو دیکھنے لگی۔

''یہ ہیں ہماری کمپنی کے نئے ہیرو مسٹر اکوش کمار۔'' رمیش نے تعارف کرایا۔

''اکوش کمار!'' اس نام پر وہ چونک سی پڑی۔

''جی، میں نے اشوک کمار کا تختہ الٹ دیا ہے۔'' بالے ڈھٹائی سے بولا۔

''اوہ، تب تو مجھے آپ ہی کے ساتھ کام کرنا پڑے گا۔'' اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھادیا۔

''ضرور، ضرور۔'' بالے نے بھی ہاتھ بڑھادیا، لیکن اس کے نرم و نازک سفید ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بالے کو اپنی رگوں میں چونٹیاں رینگتی محسوس ہونے لگیں۔ پھر وہ ایک دوسرے کو گھور کر مسکرا دیے۔

''کب اسٹارٹ کر رہے ہیں، آپ پکچر۔ مجھے ان کے ساتھ کام کر کے بڑی خوشی ہوگی۔'' وہ رمیش کی طرف رخ کر کے بولی۔

''ب... بس عنقریب۔ یادگیر صاحب کو صرف انشورنس پالیسی کے پیسوں کا انتظار ہے۔'' رمیش نے کہا۔

''میں تو بڑی بے چینی سے اس دن کا انتظار کر رہی ہوں۔''

''کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ آخر آپ کا بھی فرسٹ چانس ہے نا ہیروئن کا۔'' رمیش مسکرایا۔

''آخر پروڈکشن اسٹارٹ کرنے کے لیے کتنی رقم درکار ہوتی ہے آپ لوگوں کو۔'' بالے نے اس کی طرف گھوم کر پوچھا۔

''کچھ زیادہ نہیں، صرف تیس، چالیس ہزار روپے۔''

Akram Allahabadi

"اوہ۔" بالے کچھ سوچنے لگا۔

"آپ اس چکر میں نہ پڑیے۔خدا کہیں نہ کہیں سے تو انتظام کر ہی دے گا۔"

رمیش اظہار بے نیازی کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں، کیا چلے آپ؟" شوبھا نے پوچھا۔

"مجھے یادگیر صاحب کے ساتھ ڈسٹری بیوٹر کے یہاں جانا ہے۔ہم لوگ جلد ہی لوٹ آئیں گے۔آپ لوگ تب تک باتیں کیجیے۔"

"ایسا کیسے، کم از کم چائے تو پیکر جانا ہی پڑے گا آپ کو۔" وہ ضد کرنے لگی اور رمیش مجبوراً بیٹھ گیا۔ایک جامنی رنگ کی میلی سی ساڑی والی نوکرانی تھوڑی دیر میں چائے تیار کر کے لے آئی۔اور رمیش جلدی جلدی چائے پی کر ان سے معذرت کرتا ہوا روانہ ہو گیا۔

اب وہ صرف تین رہ گئے۔شوبھا، بالے اور رؤف۔

"آپ کا اصلی نام کیا ہے۔" شوبھا نے بالے کو دلچسپ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جھکن میاں۔" رؤف بول پڑا۔

"تم چپ رہو جی، جھکن میاں ہمارا لاڈ کا نام ہے۔اصل میں ہمیں میاں قمرالدین بدرالدین جاگیردار کہتے ہیں۔"

"تو آپ جاگیردار ہیں؟"

"ہم نہیں جی، ہمارے والد بزرگوار صاحب جاگیردار واقع ہوئے ہیں۔ان کے باپ بھی جاگیردار تھے اور باپ کے باپ بھی۔"

"خاندانی ہیں۔" رؤف نے لقمہ دیا۔

"کیا خاندانی!" بالے چونکا۔

"رئیس۔"

Akram Allahabadi

"ہیں تو پھر، تمھیں کیا۔ تم ہمارے سکریٹری ہو یا کوئی بزرگوار۔" بالے اسے گھورنے لگا۔

"معاف کیجیے گا، گستاخی ہوئی۔" رؤف نے گھبرا کر معذرت کرلی۔ شوبھا مسکرادی۔

"کچھ کھائیں گے آپ؟" شوبھا نے پوچھا۔

"لائیے صاحب، اپنا تو یہ حساب ہے کہ خون کھاتے ہیں یہاں لخت جگر پیتے ہیں۔"

"شعر الٹا ہو گیا ہے سرکار۔" رؤف نے دخل دیا۔

"تم رہنے دو، ہم خود سیدھا کرلیں گے۔" بالے نے پھر اسے جھڑک دیا۔ اور پھر شوبھا کو رومان زدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بھی کافی بے جھجک واقع ہوئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"سرکار، میں ذرا حاجت کے لیے جانا چاہتا ہوں۔" رؤف نے بالے سے کہا۔

"ارے کمبخت، پھوٹو نا۔ پیچھے بہت سے میدان سونے پڑے ہیں۔" وہ اس طرح دانت پر دانت جما کر بولا کہ شوبھا کے منہ سے ایک ہلکا سا قہقہہ چھوٹ گیا۔ رؤف کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔

"ہمیں ایک ساتھ کام کرنا ہے، اس لیے میری بے تکلفی ناگوار تو نہیں گزر رہی آپ کو۔" بالے نے شوبھا سے کہا۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں، بس۔" وہ یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور اٹھلاتی ہوئی آکر بالے کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ بالے کے دل کی دھڑکنیں کچھ اور تیز ہو گئیں۔

"آپ مجھے سچ مچ بہت اچھے لگ رہے ہیں۔" اس نے بالے کے چہرے کو قریب سے تکتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

"آ...آ...آپ نے ابھی سے ریہرسل شروع کر دی۔" بالے نے ذرا سا کھسکتے ہوئے بولا۔

"ہونہہ... یہ ریہرسل ہے۔" شوبھا نے بھنا کر منہ پھلا لیا۔

"ارے...تو کیا یہ حقیقت ہے...؟" بالے نے چونک کر پوچھا، اور اس کا چہرہ جیسے خوشی سے کھل گیا۔

"بڑے بھولے ہیں، آپ...." شوبھا نے شرماتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"تب تو میں بڑا خوش تصیب، اونہونہہ... کیا زبان ہے سالی، بڑا خوش نصیب ہوں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"آپ سے زیادہ میں...جو آپ جیسا خوبصورت اور زندہ دل ساتھی مجھے ملا۔" شوبھا نے یہ کہہ کر اپنا سر اس کے کاندھے پر ٹیک دیا۔

"دیکھیے، اب ایسا نہ کیجیے، ورنہ مجھے آپ سے عشق ہوا جا رہا ہے۔" بالے نے اس کا سر کھسکانا چاہا۔

"تو ہو جائے۔"

"یعنی کہ... ہیرو ہیروئین بننے سے پہلے ہی۔" بالے نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ مصنوعی ہوتا ہے۔ مجھے تو سچی محبت چاہیے۔"

"میڈم، میں گارنٹیڈ سچا عشق کرتا ہوں۔"

"کیا کرتا ہوں...؟" وہ چونک کر اسے گھورنے لگی۔

"میرا مطلب میرا یقین ایسا ہے۔"

"میں نے تو آپ کو اپنی زندگی کا ہیرو چن لیا۔ اب جو کچھ بھی ہو۔ مجھے پرواہ نہیں۔" وہ اس کے سینے پر سر ٹیکے اپنی مخروطی انگلیوں سے اس کی قمیض کے بٹن سے کھیلنے لگی۔

اور بالے کو بیک وقت تین بوتلوں کا نشہ دماغ پر چڑھتا محسوس ہونے لگا۔ ایک گداز خوبصورت

Akram Allahabadi

جسم کی لمس اور اس کے خوبصورت چہرے کی ابھری ہوئی سانسوں کا رخ پر ٹکراؤ۔ مگر وہ یہ بھی نظر انداز نہ کرسکا کہ وہ کسی حد تک میک اپ کیے ہوئے ہے اور بالعموم فلمی اداکارائیں میک اپ سے ہی اپنا حسن دوبالا کیا کرتی ہیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ اس کے دل کی دھڑکنیں بالے کو اپنے سینے پر محسوس ہونے لگیں۔ اور اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ بے ہوش ہو جائے۔ شوبھا کے کانپتے ہوئے سرخ ہونٹ اس کے ہونٹوں کے قریب آ رہے تھے۔ اور وہ ہچکچا رہا تھا کہ ان پر پیار کی تصدیق کرے یا نہ کرے۔ یہ بھی بہر حال ایک ڈیوٹی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

خوفناک رات

جوہو سے لوٹتے ہوئے رات ہوگئی۔ رمیش مغرب سے کچھ پہلے ہی گاڑی لے کر واپس لوٹا تھا اور اس کے ساتھ یادگیر بھی تھا۔ شام کو دیر تک بالے اور شوبھا اس ہلکے پھلکے بنگلے کے برآمدے میں بیٹھے گفتگو کرتے رہے۔ وہ آپس میں کافی بے تکلف ہو چکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے برسوں کی دوستی رہی ہو۔

وہ جب رات کو ۸ بجے گھر پہنچے تو شینو اور سلیم کھانا تیار کر چکے تھے۔ اور رات ہو جانے کی وجہ سے شاید کچھ خوف محسوس ہو رہا ہو، اس لیے چوکیدار کو بھی جو اس طرف آ نکلا تھا، باتوں میں لگائے ہوئے تھے۔

یہ کوئی نیا چوکیدار تھا۔ لمبی چوڑی جسامت کا بری بڑی مونچھوں والا۔ پرانا چوکیدار اس کے بیان کے مطابق بیمار ہو گیا تھا، اس لیے وہ اس کی جگہ ڈیوٹی دینے آیا تھا۔ یادگیر بالے، رؤف اور رمیش کو دیکھ کر ملازمین میں جان آئی۔ چوکیدار تو سلام کر کے چل دیا اور یہ تمام لوگ ایک بار ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے۔ شاید آج یادگیر کی جیب بالکل خالی تھی۔ کیوں کہ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ پھر بھی وہ بڑی چالاکی سے اپنی پوزیشن محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ کھانا کھاتے وقت وہ فلمی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔

یادگیر نے اپنی مرحومہ بیوی کے بارے میں آج بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ بلکہ نئی ہیروئن کا ذکر لے بیٹھا۔ بالے بھی شوبھا کی طریف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگا۔ جس پر رمیش اور یادگیر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے۔ وہ گزشتہ شب کے واقعے کو جیسے بھولسے گئے تھے۔

مگر جب رات زیادہ گہری ہو گئی اور کلائی پر بندھی ہوئی گھڑیاں گیارہ بجانے لگیں، تو ان پر پھر گزشتہ شب والے واقعے کی دہشت طاری ہونے لگی۔

''اگر وہ آج بھی آئی تو...'' سلیم نے خوف سے متاثر لہجے میں کہا۔

''روحیں کسی کا کچھ بگاڑتی تو نہیں، پھر ڈرنا کیوں۔ بھٹکتی ہے بھٹکنے دیجیے۔'' رؤف بول اٹھا۔

''کچھ بھی ہو مجھے تو روحوں کے تصور سے ہی ڈر معلوم ہوتا ہے۔'' سلیم نے کہا۔

''بھئی زیادہ بہادر آدمی میں بھی نہیں ہوں۔'' بالے بھی بولے بغیر نہ رہا۔ ''وقت پڑے تو ہاتھیسے بھی ٹکر لیتے نہ جھجکوں گا البتہ روح، روح کا معاملہ مختلف ہے۔''

''ہونہہ... ارے سرکار... آپ کے دادا والے قبرستان میں کیا کم روحیں ہوں گی، مگر آپ کے ابا حضور آدھی رات کو بھی وہاں فاتحہ پڑھنے جاتے نہیں ڈرتے۔'' رؤف نے بالے کو اس کی جاگیرداری شان یاد دلائی۔

''وہ... ہاں... مگر ہم ڈر کہاں رہے ہیں... کیوں یادگیر صاحب، کیا ہم لوگ ڈر رہے ہیں۔'' بالے نے یادگیر کو بھی شامل کر لیا۔

''تو پھر چلیے اپنے اپنے کمروں میں، گیارہ بج چکے ہیں۔ اب آرام کرنا چاہیے۔'' رمیش اٹھتے ہوئے بولا۔

''مگر، صاحب... مجھے تو آپ رات کو چھٹی ہی دے دیا کیجیے، میں کہیں اور جا کر سو جایا کروں گا۔'' شیخو خوف زدہ انداز میں ان سے درخواست کرنے لگا۔

''ہشت، کیا پاگل پن ہے۔ ایسا ہے تو تم میرے کمرے میں آ کر سو جاؤ۔'' یادگیر نے کہا۔ اور دراصل اس کے اس جملے میں بھی ایک قسم کا خوف نمایاں تھا۔ ایک ایسا خوف جس کی پرواہ کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں خود بھی تذبذب کا شکار ہو۔

بالآخر وہ کسی ایک فیصلے پر نہ پہنچ سکے اور دراصل ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ کسی قسم کی بزدلی کا اظہار کرتے ہچکچا رہا تھا۔ آخر کو مرد تھے سب لیکن واقعی طور پر وہ اسی روح کی آمد کے امکان سے متاثر تھے۔ بہرحال یادگیر نے شیخو کو اپنے کمرے میں فرش پر سلا لیا اور رمیش کے

Akram Allahabadi

کمرے میں سلیم جا لیٹا۔ بالے اور رؤف اپنے کمرے میں رہ گئے۔

بالے آج اپنا پستول سرہانے ہی رکھ کر سویا تھا۔ رؤف بھی آج برآمدے کی بجائے اس کمرے میں دوسرے پلنگ پر پیٹا تھا۔ اسے جلد سو جانے کی عادت تھی۔ اس لیے وہ تھوڑی دیر میں ہی خراٹے لینے لگا لیکن بالے کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک تو کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی عادت تھی جب رات اسے نیند نہ آتی تو دوسروں کو بھی پریشان کرنے لگا۔ رؤف کے خراٹے اس سے دیکھے نہ گئے۔ وہ اپنے پلنگ سے اتر کر دیوار میں لگے ہوئے پرانے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ پہلے تو وہ آئینے میں اپنی عجیب عجیب شکلیں بنا کر خود کو ہی منہ چڑاتا رہا۔ پھر اس نے آئینے کے سامنے ہی رمبا ناچ شروع کر دیا اور بھاری آواز میں گانے لگا۔

"جادوگر سیا.. مونچھوں والے بھیا۔
ہو گئی آدھی رات اب ہوا آنے دے
مونچھ والے بھیا... ٹھمکٹھیا ٹھمک تھیا، ٹھمک تھیا
ریل کا پہیہ، ریل کا پہیہ جھک جھک جھک جھک جھک جھک کواؤ.. کواؤ....
کواؤ..."

رؤف اس شور پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ لیکن بالے نے پرواہ بھی نہ کی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے، بھائی۔" رؤف نے پھر اسی آواز میں پوچھا۔

"شش..." بالے نے منہ پر انگلی رکھ کر اشارہ کیا.. اور پھر شروع ہو گیا۔

"شین شنا کی بو بلابو... جاگ رہے ہیں سب الو"

"کون چغد ہے میں یا تو... یا ہو یا ہو ہو ہو ہو ہو

"ہو ہو ہو... ہو ہو ہو..."

"بالے صاحب!" رؤف نے دبی زبان سے اسے تنبیہ پکارا۔

Akram Allahabadi

"مت بول...دل ناداں...مت بول...ساری دنیا ڈھول کا پول

"ڈھول کا پول۔ بڑے منچے حاجی بغلول۔اک دیوار میں چھپن ہول۔"

"بھئی لا میرا پستول...میرا..."

"کیا وحشت ہے یہ آخر..." رؤف نے اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کون ہو تم؟" بالے اس پر آنکھیں نکال کر بولا۔اس کے چہرے پر عجیب سی کیفیت تھی۔رؤف ٹپٹا گیا۔

"یہ کیا آدھی رات کو شور مچا رکھا ہے، یار۔" اس نے لہجہ بدل کر اسے سمجھانا چاہا۔

"یار..." بالے نے دوہرایا۔"جان من، پھر سے کہو ایک بار۔" اس نے زمین پر ایک گھٹنہ ٹیک کر رؤف کا ہاتھ تھام لیا۔

"یا خدا! آخر یہ کیا وحشت ہے؟"

"وحشت، اے روحِ روانِ قیس، اسے وحشت کی والدہ کہتے ہیں۔اس کا نام محبت ہے۔ہائے تم کیا جانو... میں امیر عامری کا پٹھا... تمہارے لیے افریقہ کے جنگلوں تک کی خاک چھان کر اسے کنٹریکٹ پر بیچ چکا ہوں۔ہائے میں ۱۹۵۶ء کا ماڈرن ہیرو۔اور تم ایک ہزار سال قبل مسیح کی پھوہڑ لیلیٰ۔ٹکروائے رے عشق۔"

"یار تم آدمی ہو یا ہونق۔" رؤف جھنجھلا گیا۔

"ہونق کسے کہتے ہیں۔میری جان کچھ یاد نہیں۔" بالے شاعرانہ لہجہ میں بولا۔"مگر میں عبدالکریم کی لغات دیکھ کر بتاؤں گا۔"

"اف...اف میں اپنا بستر اٹھا لے جاؤں گا یہاں سے۔" رؤف نے غصے سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

"خبردار...الٹی کھوپڑی کے جمعدار...خبردار جو ہاتھ لگایا۔اس لڑکی کو...یہ میری امانت ہے...یاش باش کہ می رستم بابائے حرام مونچھ۔" بالے اس کے پیچھے ہی پڑ گیا۔

Akram Allahabadi

"مجھے غصہ آ رہا ہے اب۔" رؤف نے دھمکی دی۔

"چچا جی... آپ دھمکی کس کو دیتے ہیں۔ میں یہ گھر آج ہی چھوڑ دوں گا۔ ہائے لعنت ہے اس گھر پہ جہاں اولاد کی زندگی سونے چاندی کے ٹکڑوں کے عوض بیچی جائے۔"

بالے نے جوشیلے انداز سے مکالمے ادا کرنے شروع کر دیے۔ لیکن اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دینے لگی اور وہ چپ ہو گیا۔ اس نے خود ہی دروازہ کھول دیا۔ آنے والے رمیش اور سلیم تھے۔ وہ حیرت سے بالے اور رؤف کو اور پھر کمرے کی ہر چیز کو دیکھنے لگے۔

"خیریت تو ہے۔" رمیش نے بالے سے پوچھا۔

"الحمدللہ، سب خیریت ہے اور آپ لوگوں کی خیر و عافیت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے۔" بالے نے لمبا سا جواب دیا۔ جس پر سلیم اپنی ہنسی نہ روک سکا۔

"تو پھر یہ شور کیسا ہو رہا تھا اس کمرے میں۔" رمیش نے پوچھا۔

"اوہ، وہ تو میں ریہرسل کر رہا تھا۔ آخر ہیرو بننے میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔" بالے نے بڑی سنجیدگی سے بتایا۔

"ہم سمجھے کہ خدا نہ کرے کچھ..." سلیم نے کہنا چاہا۔

"نہیں، نہیں کوئی بات نہیں۔ آپ لوگ آرام کیجیے۔" بالے نے انھیں دروازے سے باہر کر کے دروازہ بند کر لیا۔ آج بتیاں تمام کمروں اور ڈرائنگ روم کی روشن ہی رکھی گئی تھیں۔

"ایسی کی تیسی تمہارے ریہرسل کی۔" رؤف اپنا بستر لپیٹنے لگا۔

"شانتی، رؤف بھائی، شانتی، بس اتنی ہی بات کا برا مان گئے۔" بالے نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ذرا سی بات...؟ آدھی رات کو نیند حرام کر ڈالی۔ اور اوپر..."

"بات دراصل یہ ہے کہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔"

"تمھیں نیند نہ آئے تو سب کی نیندیں حرام کرتے پھرو۔"

"یہ حرام حرام کا لفظ بار بار استعمال کرو گے تو میں تمہاری مونچھوں کی شان میں کچھ عرض کروں گا۔"

"میں یہاں نہیں سوؤں گا۔"

لیکن ابھی بالے کوئی جواب بھی نہیں دے پایا تھا کہ دروازے پر پھر دستک سنائی دی۔

"اب شاید اپنی خیریت بتانے آئے ہیں۔" بالے نے یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ رمیش، میاؤ گیر اور سلیم تھے۔ شیخوان کے پیچھے خوفزدہ انداز میں کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے۔" بالے نے پوچھا۔

"مسز یاؤ گیر کے بند کمرے سے... ستار بجنے کی آواز آ رہی ہے۔" رمیش نے بتایا۔

"ستار بجنے کی...؟" بالے نے اپنی ٹارچ اٹھالی ساتھ ہی اس نے ان لوگوں کی نظر بچا کر اپنا پستول بھی گون کی جیب میں ڈال لیا۔ رؤف خود بخود ان کے ساتھ ہو لیا اور وہ سب ڈرائنگ روم میں نکل آئے۔

مسز یاؤ گیر کے بند کمرے کے دروازے پر دبے پاؤں پہنچ کر انھوں نے کان اندر سے سنائی دینے والی آوازوں پر لگا دیے۔ واقعی اندر سے ستار کے بجنے کی آواز آ رہی تھی مگر بجانے والا اناڑی تھا جیسے کوئی الل ٹپ انگلیاں چلا رہا ہوتا روں پر۔

"کچھ گڑبڑ ہے۔" بالے نے یہ کہکر دروازے پر جیسے ہی ہاتھ مارا کمرے کا دروازہ کھل گیا۔ سب سے پہلے بالے، رمیش اور رؤف ہی اندر گھسے۔ اندر چھت میں ٹنگا ہوا بجلی کا بلب روشن تھا۔ کمرہ صاف اور ہر چیز اپنے طریقے سے رکھی نظر آ رہی تھی۔ کمرے کی کھڑکی جو باہر کی طرف کھلتی تھی، اس وقت بھی کھلی ہوئی تھی۔ ستار کی طرف متوجہ ہوتے ہی وہ چونک پڑے۔ وہ چوکی پر رکھا تھا اور ایک ننھی چوہیا اس کے تاروں پر اچھل اچھل کر ادھر ادھر بھاگنے کی

Akram Allahabadi

کوشش کر رہی تھی۔اس کی گردن ایک باریک سے ریشمی ڈوری کے ساتھ تار کسنے والی ایک گٹی سے بندھی ہوئی تھی۔آدمیوں کو دیکھ کر وہ اور گھبرا گئی اور اس نے تاروں پر اچھل اچھل کر گرنا شروع کر دیا۔جس کے ساتھ ہی ساتھ تار جھن جھنا کر بولتے رہے۔

"سنگیت کار کو ملاحظہ فرمائیے۔میرا خیال ہے آپ اسے اپنی فلم میں میوزک ڈائرکٹر کا چانس ضرور دیجیے گا۔"بالے، یاوگیر کی طرف گھوم کر بولا۔

"لیکن، لیکن اسے ستارے باندھا کس نے ہوگا۔"

"یہ البتہ سوچنے کی بات ہے۔"

"کہیں وہ روح..."سلیم کہتے کہتے رک گیا۔

"روح۔"وہ سب چونک پڑے۔"ہوسکتا ہے۔ہوسکتا ہے۔"رمیش بڑبڑایا۔

لیکن روح کے تذکرے کے ساتھ یاوگیر کی آنکھوں میں ایک عجیب سی گھبراہٹ جھلکنے لگی جسے اس نے چھپانے کی کوشش کی مگر بالے کی نظریں بھانپے بغیر نہ رہ سکیں۔

وہ بہر حال اس کمرے کو باہر سے مقفل کر کے چلے آئے۔بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔لیکن یاوگیر اس قدر متاثر ہوگیا تھا کہ اس نے رمیش اور بالے کو بھی اپنے کمرے میں بلا لیا اور رؤف پیچو اور سلیم کے ساتھ دوسرے کمرے میں رہ گئے۔بالے محض ایک چوہیا سے خوفزدہ ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔اس پہ وہ دوسروں کا بھی مذاق اڑا رہا تھا۔مگر اس کے دماغ میں اس وقت ایک ہی بات چھائی ہوئی تھی کہ یاوگیر اس قدر کیوں خوفزدہ ہو رہا ہے۔اس نے واقعی قتل تو نہیں کیا۔

"ممکن ہے کوئی آسیب ہی ہو۔"رؤف نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"اور ہم بھی تو آسیب ہی کی باتیں کر رہے تھے۔تم نے کونسا نیا خیال پیش کر دیا۔"

بالے نے اسے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

"نہیں...وہ...وہ میری ہی بیوی کی روح ہوگی۔وہ...وہ مجھے بہت چاہتی تھی۔"یاد

گیر نے نہ جانے کس خیال سے انداز تکلم بدل دیا اور بالے اس پر چونکے بغیر نہ رہا۔

"لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ آپ بھی اسے بہت چاہتے تھے۔"

"ہاں ہاں، مگر... کیا جانے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ بظاہر پریشان ہوتے ہوئے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"کیوں تھوڑے دنوں کے لیے مس شوبھا کے یہاں چلے چلیے۔" بالے کے اس مشورے نے یادگیر کو چونکا دیا۔

"نہیں نہیں... وہ کیا سمجھے گی۔ ہمارے بارے میں اور پھر ہماری مالی حالت بھی اس وقت گڑبڑ ہے تاوقتیکہ ہمارے انشورنس کے پیسے ہمیں نہ مل جائیں یا کوئی فنانسر نہ مل جائے۔" اس نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"انشورنس کا جواب کل ہی مل چکا ہے۔ اس کے پیسے ملنے میں تین چار مہینے لگ جائیں گے۔" رمیش نے فکرمند لہجے میں کہا۔

یہ کہہ کر وہ پرامید انداز میں بالے کی شکل دیکھنے لگا۔ لیکن بالے مصلحتاً کچھ نہ بولا۔

"مسٹر اکوش، کیا آپ ہماری مدد نہ کریں گے۔" یادگیر نے بالآخر خود ہی سوال کر دیا۔

"مدد... ہاں ہاں... کیوں نہیں... مگر مجھے اپنے ابا حضور سے پوچھنا پڑے گا۔" بالے نے کہا۔

"ان سے پوچھ کے کیا کریے گا، سرکار۔ آپ خود کیا اتنا بھی حق نہیں رکھتے۔" رؤف، یادگیر کو آنکھ مار کر بولا۔

"اچھا اچھا۔ آپ شام تک انتظار کریں۔ میں کچھ نہ کچھ بندوبست کرتا ہوں۔" بالے یادگیر کو امید دلائی۔

"بڑا احسان ہوگا آپ نے اگر اس وقت مدد کی تو۔" رمیش نے یادگیر کی طرف سے

شکریہ ادا کیا۔

"ایسی کیا بات ہے۔آخر آپ لوگ بھی تو مجھے ہیرو بنا رہے ہیں۔"

"تو پھر مسٹر رمیش آپ آج ہی سے نئی پکچر کا کام شروع کر دیجیے۔اور اکوش صاحب کے نام کی خوب پبلسٹی کیجیے تا کہ پکچر ختم ہونے سے پہلے ہی لوگ ان کے منتظر ہو جائیں۔" یادگیر نے رمیش کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

"ضرور،ضرور۔" رمیش نے تصدیق کی۔

نیند ابھی ادھوری تھی۔چنانچہ یادگیر اور رمیش تو یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ باقی رات سو کر گزاری جائے۔اور جب وہ چلنے لگے تو نہ جانے بالے کے من میں کیا شرارت سمائی کہ اس نے خان سے لائی ہوئی فوٹو یادگیر کی جیب میں ڈال دی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

الٹے پھندے

یادگیر اور رمیش جب باہر نکل کر اپنی پرانی کار میں بیٹھنے لگے تو انھیں یہ وہم وگمان بھی نہ ہوا کہ آج خلاف معمول ان کی کار میں ونڈ اسکرین کے فریم کے ساتھ داہنے سرے پر ایک باریک سی فولادی راڈ لگی تھی۔ کار احاطے سے باہر نکال کر جب وہ ڈانڈی ہل کی پتلی سڑک سے نیچے اتارنے لگے تو رمیش پیچھے ایک محتاط نظر ڈالتے ہوئے یادگیر سے مخاطب ہو گیا۔

"اب کیا ارادہ ہے۔" اس نے پوچھا۔

"کوشش ہے جس قدر بھی رقم مل جائے اسے لے کر ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔"

"کیوں؟" رمیش نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"میں کہیں دور بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ میرا دماغ بہت پریشان ہے۔"

"شاید آپ اس روح سے ڈر رہے ہیں؟"

"اور کیا۔ تم نہیں ڈر رہے؟ وہ ضرور اسی کی روح ہے جس نے ہمارا پیچھا لے رکھا ہے۔" یادگیر نے گاڑی بڑی سڑک پر لاتے ہوئے کہا۔

"تو کیا وہ ہمارا پیچھا چھوڑ دے گی۔" رمیش نے پوچھا۔

"وہ جو کچھ بھی ہو لیکن میرا دل گھبرا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم کسی مصیبت میں پھنسنے والے ہیں۔"

"آخر آپ اک دم اس قدر کیوں گھبرا گئے ہیں۔"

"یہ... یہ دیکھو۔" یادگیر نے ایک ہاتھ جیب میں ڈال کر اس میں سے ایک تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ رمیش اسے دیکھتے ہی چونک پڑا اور خود اس کے چہرے کا رنگ بھی متغیر ہو گیا۔ کچھ دیر تک وہ سکتے کے عالم میں رہا۔ پھر اس نے وہ تصویر یادگیر کو

Akram Allahabadi

لوٹا دی۔

"جانتے ہو یہ کہاں ملی ہے؟... میری جیب میں... رات کو میں اپنی تمام جیبیں خالی کر کے سویا تھا اور پھر صبح یہ میری جیب میں پڑی تھی۔

"تو کیا آپ اسے بھی اس روح کی حرکت سمجھتے ہیں؟"

"اور کون کرسکتا ہے ایسا؟"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ان دو بے وقوفوں سے دھوکہ کھا رہے ہوں۔"

"میں ان پر شک کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ ویسے تمھیں شک ہو تو شام تک خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ اگر روپے انھوں نے لا کر نہ دیے تو ہم ان کے بارے میں کچھ ایسا سوچ سکتے ہیں۔" یادگیر نے کہا۔

"مگر یہ فوٹو... کیا اس کا جیب میں رکھنا مناسب ہے۔" رمیش نے کہا۔

"اور ہاں، تم اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دو۔ باریک ٹکڑے تاکہ یہ پھر مسلح ہو کر ہماری نظروں کے سامنے نہ آئے۔"

"آپ احساس جرم کا شکار ہوئے جا رہے ہیں، یادگیر صاحب۔" رمیش نے اس کی گھبراہٹ پر توجہ دلائی۔

"اوہ... نہیں... میں... میں ٹھیک ہوں۔" وہ یہ کہہ کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ رمیش نے وہ تصویر ریزہ ریزہ کر کے چلتی گاڑی سے باہر پھینک دی۔

"ان کا کیا کیجیے گا۔" رمیش نے پھر پوچھا۔

"ساتھ جائے گی۔"

"اور انشورنس کی رقم۔"

"ہماری جانیں اس سے زیادہ قیمتی ہیں اور وہ تو ہم پھر بھی آ کر وصول کر سکتے ہیں۔"

"لیکن اکوش کی رقم لے کر غائب ہونا کیا ہمیں علی الاعلان فراڈ کا مجرم نہ بنا دے

گا۔؟"

"اول تو ہم تحریراً کوئی معاملہ نہیں کر رہے اور پھر ان کو سمجھا دیں گے کہ فلم کی تیاری کے لیے ہمیں باہر جانا پڑ رہا ہے۔بعد میں وہ کچھ بھی بکتے رہیں مگر بغیر ثبوت کون سنتا ہے۔" یاد گیر نے کہا۔

لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ یہاں سے بہت دور پولیس ہیڈ کوارٹرز کے کنٹرول روم میں ان کی یہ تمام تر گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے۔وہ جو کچھ باتیں یہاں کر رہے تھے ان کی کار کے ڈیش بورڈ میں اندر کی طرف لگا ہوا آٹو کمیونیکیٹر جس کا ایک باریک تار انجن کے ڈائنمو سے منسلک تھا اور دوسرا اس باریک راڈ سے جو ونڈ اسکرین کے فریم کے ساتھ لگا ہوا تھا، ان کی تمام گفتگو سی آئی ڈی ہیڈ کوارٹرز کے کنٹرول روم کو منتقل کر رہا تھا۔وائرلیس کے ڈبلکشن سلف رسیور پر یہ گفتگو ایک ٹیپ ریکارڈر میں ریکارڈ کی جا رہی تھی۔لیکن جب سٹ پر ایک طویل خاموشی چھا گئی تو رائٹر نے جس اس گفتگو کو شارٹ ہینڈ میں کاغذ پر لکھتا جا رہا تھا، اس کا مضمون، کانفیڈنشل پیپر پر لکھ کر اسی وقت سپرنٹنڈنٹ خان کے پاس بھیج دیا۔روز کی طرح آج بھی خان کام کا بھاری بوجھ سامنے لیے بیٹھا تھا۔ایک اتنی سولج آبادی رکھنے والے اتنے بڑے شہر کا قانونی نظم و نسق اور محکمہ خفیہ کی تمام تر ذمہ داریاں، اسے ہمہ تن مصروف رکھتیں، لیکن اس کے باوجود وہ اپنی آنکھیں اور اپنے کان ہمیشہ کھلے رکھتا۔اس کی باریک بین نظر کسی اہم معاملے سے غافل نہ رہتی۔اسے کنٹرول روم سے ایسی ہی ممکنہ رپورٹ کا انتظار تھا۔کانفیڈینشل پیپر کے سامنے آتے ہی وہ چونک پڑا۔

"ابراہیم کو بلاؤ۔" اس نے چپراسی کو بلا کر حکم دیا۔اور دو منٹ بعد ہی ابراہیم آموجود ہوا۔

"تم جلدی جا کر کسی طرح بالے کو یہ چٹ پہنچا دو۔" خان نے سفید سادے کاغذ کے ایک پرزے پر کچھ لکھ کر اسے دیا۔اور ابراہیم "بہت خوب" کہتا ہوا اسی وقت باہر نکل گیا۔

بالے اور رؤف بھی اس وقت دلا روز زینہ سے نکل ہی رہے تھے کہ ابراہیم پہنچ گیا۔

Akram Allahabadi

اتفاق سے اس وقت سلیم اور شیخو دونوں اندر تھے۔ ابراہیم نے وہ چٹ بالے کو تھمائی اور ایک اجنبی کی طرح احاطے کے نزدیک سے گزر کر دوسری طرف چلا گیا۔

"کیا معاملہ ہے؟" رؤف نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات ہوگی۔ ٹیلیفون پر بات کرنے کو لکھا ہے۔" بالے نے کہا۔

"مگر وہ کمبخت بھی تو ساتھ آ رہے ہیں۔"

"آنے دو۔ وہ اتنے چالاک نہیں ہیں۔ ہم انھیں راستے سے ہی رخصت کر دیں گے۔"

"آخر ہمیں ان کے لیے رقم کا انتظام کرنے بھی تو جانا ہے۔" بالے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

شیخو اور سلیم بھی اسی وقت باہر آ گئے۔ ڈانڈی ہل سے نیچے آ کر انھوں نے ایک ٹیکسی پکڑلی۔ یہاں بالے نے ان دونوں کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ ہم روپے لینے جا رہے ہیں تا سیدھے دفتر چلو۔ چنانچہ سلیم اور شیخو تو بس اسٹینڈ کی طرف چلے گئے اور ان کی ٹیکسی شہر کی طرف روانہ ہوگئی۔

"وہ رہا، ہائی ویو ہوٹل۔ چلو یہاں ذرا کافی پی لی جائے۔" بالے ایک جگہ ٹیکسی ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ پھر وہ گاڑی سے اتر کر اندر داخل ہو گئے۔ ہائی ویو ہوٹل کے منیجر کا آفس، ہال کے باہر ہی علیحدہ بنا تھا۔ وہ بالے کا واقف کار تھا، لیکن اس حلیے میں وہ اسے کوئی اجنبی یا مسافر سمجھ کر ہی اس کی طرف مخاطب ہوا۔

"فرمایئے۔" اس نے پوچھا۔

"ہم آپ کا فون استعمال کرنا چاہتے ہیں۔" بالے نے شائستگی سے کہا۔ اور منیجر نے سامنے رکھے فون کی طرف اشارہ کر دیا۔

"ہلو۔" بالے نے خان کا نمبر ملا کر دبی آواز سے کہا۔

"یس خاں اسپیکنگ۔"

"ہالے ہیر ہر۔"

"اوہ، میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"یہاں تو کافی گڑبڑ ہو رہی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔اور ہاں، وہ لوگ تمھیں جاگیرداری اولاد سمجھ کر تم سے رقم اینٹھ کر بھاگنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔یادگیر کافی خوفزدہ ہو چکا ہے۔" خان نے کہا۔

"مثلاً۔"

"یہ تو ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ اس روح سے نفسیاتی طور پر بری طرح ڈرا جا رہا ہے۔ اس لیے اس نے ضرور کوئی حرکت کی ہے جس کے نتائج کا اسے خوف ہے۔"

"یہ تو میں بھی سمجھ چکا ہوں۔"

"تو بس۔اب تم خود نہ جاؤ۔رؤف کے ہاتھوں اسے پانچ ہزار روپے بھیج دو اور خود کسی اور طریقے سے یادگیر کا پیچھا کرو۔رؤف سے کہلا دینا کہ تم مزید رقم کے انتظام کے لیے سہتاپور گئے ہو۔"

"آپ تو اس طرح فرما رہے ہیں جیسے میں کوئی لکھ پتی مارواڑی ہوں۔اس غریب پولیس سارجنٹ کے پاس پانچ ہزار روپے کہاں سے آئے۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو اس وقت۔"

"ہائی ویو ہوٹل سے۔"

"تو وہیں ٹھہرو، یشپال کا آدمی روپے لے کر آتا ہے۔میں نے اس سے انتظام کرا دیا ہے۔"

"آپ مفت میں پانچ ہزار کی رقم حرام میں ڈال رہے ہیں۔"

"حکومت، تمہاری جیب سے نہیں جا رہے وہ۔"

Akram Allahabadi

"کاش وہ میری ہی جیب میں آجاتے۔"

"میرے پاس اس وقت فاضل وقت نہیں ہے۔"

"مگر سنیے تو... وہ میری اکلوتی ہیروئن۔"

"وہ تمھیں پھانسنے کا ایک ذریعہ تھا ان کی طرف سے اس پر کوئی خاص توجہ نہ دو۔ اسرار نپٹ لیں گے اس سے۔"

"ارے واہ، یعنی کہ کھچڑی میں نے پکائی اور ہنڈیا صاف کریں بھائی اخروٹ۔"

"مگر خان نے کوئی جواب دینے کی بجائے ریسور رکھ دیا۔ اور بالے وہیں سر تھام کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیوں کیا ہوا؟" رؤف نے پوچھا۔

"بیڑا غرق، جنم بھر کمائی کر کے پانچ ہزار روپے جمع کیے تھے، بھائی کہتے ہیں ادھار دے دو۔"

"اونہہ، وہ تم سے ادھار مانگیں گے۔"

"نہیں نہیں بھئی، اس چغد کی دم یا دگیر کو۔ ہائے لٹ گئے، بھائی حرام....."

"پھر وہی۔" رؤف کا چہرہ بگڑنے لگا۔

"حرام کی کمائی تھوڑی تھی۔" بالے نے جلدی سے جملہ پلٹ دیا اور رؤف ہنس پڑا۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد ایک سادہ لباس آدمیا نھیں ہوٹل کے برآمدے میں داخل ہوتا نظر آیا تو بالے نے خوس اسے اشارے سے بلا لیا۔

"آپ؟" اس نے پوچھنا چاہا۔

"سارجنٹ بالے۔" بالے نے آہستہ سے کہا

"کتنے چاہئیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"پانچ ہزار۔"

"یہ لیجیے۔" یہ کہہ کر اس نے جیسے ہی جیب سے ہاتھ نکالا۔ بالے چونک پڑا۔ اس کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول تھا۔ رؤف یہ دیکھ کر ست پٹا گیا۔

"اے مسٹر۔" وہ کہتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

"آگے بڑھے تو گولی ماردوں گا۔ وہ آدمی سوچ کر بولا۔ "چلو، باہر نکلو۔ بغیر کسی حرکت کے۔" اس نے بالے اور رؤف کو پستول کی نوک سے اشارہ کیا۔

"ارے مگر تم ہو کون، جانور۔" بالے جھنجھلا کر بولا۔

"نہیں پہچانتے۔" اس نے یہ کہہ کر اپنی گھنی مونچھیں نکال کر جیب میں ڈال لیں اور آنکھوں پر سے چشمہ اتار کر جیب میں رکھ لیا۔ وہ سلیم تھا۔

"وہ پانچ ہزار میں باہر ہی وصول کر چکا ہوں۔ انشورنس کمپنی کا بے وقوف ملازم مجھے ہی بالے سمجھ کر روپے دے گیا۔ اور اس کی ہی بے وقوفی سے ہم تمھیں پہچان سکے۔ اور اب تک وہ یا دگیر کی جیب میں پہنچ بھی رہے ہوں گے۔" وہ بھاری آواز میں بولا۔ اس کا لہجہ بھی اس وقت بدلا ہوا تھا۔ وہ اس وقت ایک بدھو قسم کے ڈرپوک آدمی سے ایک خوف ناک اور عیار شخصیت میں بدل گیا تھا۔ اس نے منیجر کو اس کے آفس میں ہی بند کر دیا۔ بالے اور رؤف پستول کی زد میں تھے۔ اس لیے انھیں بے چون و چرا اس کا حکم ماننا پڑا۔ جب وہ باہر نکلے تو وہی ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی، جس پر وہ آئے تھے۔ سلیم نے خود پچھلا دروازہ کھول دیا اور بالے کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ رؤف کو اس نے ڈرائیور کے پاس اگلی سیٹ پر بٹھا دیا۔ اب اپنا پستول وہ کوٹ کی جیب میں چھپائے ہوئے تھا، لیکن پوری طرح چوکنا تھا۔ شاید ٹیکسی ڈرائیور کو ان باتوں کا علم بھی نہ ہو۔

"جوہو۔" اس نے خود ہی ٹیکسی والے کو ہدایت کی۔ اور گاڑی جوہو کی طرف روانہ ہو گئی۔ ویسے بالے نے خود بھی کوئی کوشش نہیں کی۔

تمام راستے وہ اس قدر چوکنا رہا کہ رؤف یا بالے کوئی حرکت نہ کر سکے۔ ان کی ٹیکسی

Akram Allahabadi

اسی مکان کے سامنے رکی جس میں شوبھا سے اپلے نے ملاقات کی تھی۔پستول کی زد میں اس نے انھیں ٹیکسی سے نیچے اتارلیا۔اور دونوں کو اندر لیکر چلا گیا۔اس کے جانے کے بعد اندر سے رمیش باہر نکل آیا۔اس نے ٹیکسی والے کو بل چکادیا اور ٹیکسی روانہ ہوگئی۔وہ مکانمیں واپس چلا گیا۔ٹیکسی ڈرائیور نے جوہو کے قریب لاکر ٹیکسی روک دی اور اسے اسٹینڈ پر ایک کنارے لگا کر اس میں بیٹھا اور جوہو بیچ کی طرف جانے والی سڑک کو تکنے لگا۔

ابھی بمشکل بیس پچیس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ایک لینڈ وہا دی شیور لیٹ کار تیزی سے دوڑتی ہوئی قریب سے گزر کر جوہو روڈ پر نکل گئی۔ٹیکسی ڈرائیور چونک پڑا۔اس نے کلائی کی گھڑی دیکھی اور پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولتے ہوئے جوہو روڈ پر نظریں جمادیں۔بے قراری سے وہ بار بار کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتا جاتا تھا۔پھر کچھ سوچ کر ٹیکسی ڈرائیور نے ڈیش بورڈ میں لگا ہوا ایک سوئچ آن کر دیا۔جس کے ساتھ ہی خفیف سی گونج کی آواز سنائی دینے لگی۔

''ایس کے کالنگ باس۔ایس کے۔''

''اٹینڈنگ۔''ڈیش بورڈ سے مدھم آواز آئی۔

''وہ آ گیا ہے۔لوکیشن، جوہو، بیچ اوور۔''

''ٹھیک ہے۔''ادھر سے آواز آئی اور پھر اس نے سوئچ آف کر دیا۔

اسے اس طرح انتظار کرتے دس پندرہ منٹ گزر گئے۔اس سے کچھ فاصلے پر ایک اور ٹیکسی بھی کھڑی تھی جس کی سواریاں جوہو کے کنارے تفریح کر رہی تھیں اور ڈرائیور اسٹیئرنگ پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔کسی برق رفتار گاڑی کے آنے کی آواز نے اسے پھر چونکا دیا۔یہ وہی شیور لیٹ پرانی گاڑی تھی جو ابھی کچھ پہلے ادھر سے گزر کر جوہو بیچ کی طرف گئی تھی۔اور اب واپس لوٹ رہی تھی۔

جب وہ قریب سے گزرنے لگی تو ٹیکسی ڈرائیور نے چور نظروں اسے اس کی طرف

دیکھا۔

اس میں یاد گیر، رمیش، سلیم اور شوبھا بیٹھے ہوئے تھے۔ رمیش خود گاڑی چلا رہا تھا اور گاڑی کی رفتار اتنی تیز تھی کہ ذرا سی دیر میں ہی شانتا کروز کی طرف جانے والی سڑک پر گھوم کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اب ٹیکسی ڈرائیور نے بھی گیئر پر ہاتھ ڈالا اور چند سیکنڈ بعد اس کی گاڑی بھی اس کار کے پیچھے دوڑنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

تعاقب

دونوں گاڑیاں جیسے ہی آگے پیچھے گھوڑبندر روڈ پر نکلیں۔ایک نیم کے درخت کے سائے میں بس اسٹینڈ کے قریب کھڑی وہی سبز رنگ کی کار بھی ان دونوں کے پیچھے چل پڑی۔ اس میں خود سپرنٹنڈنٹ خان اوراس کے ساتھ ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔

لینڈ وباڈی کا روالے پارلے کو عبور کرنے کے بعد اندھیری کے ریلوے کراسنگ کے پاس جا کر اٹک گئی۔اس وقت کوئی لوکل ٹرین لائن سے گزر رہی تھی۔

''جلدی کرو، رمیش۔''یادو گھبرا کر بولا۔

''اب کیا پل توڑ کر ریل کے سامنے ڈال دوں گاڑی۔''رمیش نے جھنجلایا ہوا سا جواب دیا۔''آپ مفت میں خوف زدہ ہو رہے ہیں۔اب ا کے فرشتے بھی ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔''رمیش نے کہا۔

ٹرین گزر جانے کے بعد کراسنگ کے گیٹ کھول دیے گئے اوران کی گاری تیزی سے پل پار کر گئی۔اس کے بعد ہی وہ ٹیکسی بھی پل عبور کر کے اس کے پیچھے روانہ ہوگئی۔مگر خان کی سبز کار جب کراسنگ گیٹ پر پہنچی تو راستہ پھر بند ہوگیا۔دوسری سمت سے آنے والی لوکل ٹرین اب لائن پر گزر رہی تھی۔انھیں تین منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔اس کے بعد گیٹ پھر کھلا اور خان نے ایکسیلیٹر دبا دیا۔

خان نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی۔لیکن شاید اگلی دونوں گاڑیاں بہت تیز گئی تھیں۔کرلا روڈ صاف نظر آرہی تھی۔مجبوراً خان نے اپنی کار میں لگے ہوئے وائرلیس کمیونیکیر کا سوئچ پھر آن کر دیا۔

''اس کے کالنگ...خان کالنگ...خان کالنگ۔''وہ ماؤتھ پیس پر بولا۔

Akram Allahabadi

''اٹینڈنگ سر۔اوور۔''ڈیش بورڈ سے مدھم آواز سنائی دی۔

''رپورٹ لوکیشن۔اوور۔''خان نے کہا۔

''سائی ناکا..ٹرینگ ٹو چاندیولی۔اوور۔''ادھر سے جواب ملا۔

''ٹھیک ہے۔''یہ کہہ کر خان نے ماؤتھ پیس رکھ دیا اور گاڑی کی رفتار اور بڑھ گئی۔ سائی ناکا سے چاندیولی کی طرف گھوم کر اسے پتھر کی کانوں کے آگے ٹیکسی دوڑتی نظر آئی۔

چاندیوئی ایک سرسبز پہاڑی کے دامن میں مختصری آبادی تھی جو کسی مارواڑی سیٹھ کی زرخرید جاگیر میں واقع تھی۔مزدوروں کی اس مختصری بستی میں جاگیر کے مالک کی کوٹھی اور دفاتر کے علاوہ ایک فلورل ایک کارخانہ اور دوچار پختہ مکان اور تھے۔خان نے گاڑی کی رفتار دھیمی کر کے دیکھا،وہ ٹیکسی ایک ڈھلوان پر ایک درخت کے سائے میں دو جھونپڑوں کے درمیان اس طرح کھڑی تھی کہ مقابل سمت سے آنے والے کی نظر اس پر نہ پڑ سکے۔خان نے اپنی گاری آگے بڑھا کر اسٹیٹ کے مالک کی کوٹھی کے گیرج کے سامنے کھڑی کر دی۔یہاں بالکل سناٹا چھایا ہوا تھا۔حتیٰ کہ ایک آدمی بھی راستے پر یا ادھر ادھر نظر نہیں آ رہا تھا۔البتہ آگے مزدورون کے کوارٹروں کی طرف سے کچھ آدمیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی اور دور تر کاریوں کے کھیتوں میں کچھ آدمی کام کر رہے تھے۔خان اس لڑکی کو، جو سفید ساڑی پر ایک گرم سبز کوٹ پہنے ہوئے تھی، ساتھ لے کر گاڑی سے اتر کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔مگر اسی وقت وہ کسی بکری کے بچے کی آواز سن کر چونک پڑا۔اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔میدان کے اس پار ایک پختہ مکان کے پچھلے حصے سے ملی ہوئی پانی کی ٹنکی کے اوپر ٹیکسی ڈرائیور چڑھا، منہ پر ہاتھ رکھے بکری کے بچے کی آواز میں چیخ رہا تھا۔خان مسکرا دیا اور اس کی طرف بڑھنے لگا۔پانی کی فولادی ٹنکی تک پہنچنے میں اسے کوئی وقت نہیں ہوئی۔ٹنکی سے منسلک مکان کی پچھلی دیوار تھی جس کے روشن دان سے اندر نظر ڈالی جا سکتی تھی۔اس نے جھانک کر دیکھا۔اندر ایک چوکور کمرے وہ سب جمع تھے۔اور

سب سے حیرت ناک بات یہ تھی کہ یہاں ان چاروں کے علاوہ ایک پانچواں وجود بھی تھی۔ مسز یاد گیر، زندہ اور سلامت! ان کی گفتگو سمجھ میں نہ آسکی۔ کیوں کہ وہ آہستہ بول رہے تھے۔

"مس شیلا، مکان کا پچھلا حصہ کھلا ہے، آپ اس طرف سے اندر اتر جائیے۔" پھر وہ ٹیکسی ڈرائیور کی طرف گھوم کر بولا۔ "اسرار، انھیں پچھلی دیوار سے اندر اتار دو۔"

"بہتر ہے۔" وہ بولا۔ اور وہ دونوں ٹنگی سے اتر کر مکان کے پچھلے حصے کی سمت چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

خان کی گرفت

"ہمیں اب بلا وقت گنوائے یہاں سے چل دینا چاہیے ورنہ اگر پولیس کو ہماری بو لگ گئی تو..." یادگیر کی بات سلیم نے کاٹ دی۔

"ہوائی جہاز کے سوا اور کوئی راستہ جلدی بھاگنے کا نہیں۔" اس نے کہا۔

"۲/۱۱ بجے دہلی باؤنڈ پلین چھوٹے گا۔ جسے ابھی پورا گھنٹہ باقی ہے۔ ہم آرام سے وقت پر پہنچ سکتے ہیں۔"

"مگر بکنگ۔"

"ایروڈروم کا ایک انجینئر میرا دوست ہے۔ اس کی مدد سے فوراً ٹکٹ مل جائیں گے۔"

"پاس والی کوٹھی میں ٹیلیفون ہے۔ وہیں سے فون کر کے بک کرا لیجیے۔" مسز یادگیر نے یادگیر سے کہا۔

"کل کتنا روپیہ ہے تمہارے پاس۔" یادگیر نے رمیش سے پوچھا۔

"پانچ ہزار، جو سلیم نے اس سور سے حاصل کر کے بھیجا اور ایک ہزار کار کو امانت رکھ کر لیا گیا ہے۔" رمیش نے بتایا۔

"خیر ابھی تو جان بچانے کے لیے کافی ہے۔ آگے کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔" یادگیر بولا۔

پھر وہ مسز کی طرف مخاطب ہو کہنے لگا۔ "صفیہ، تم فوراً تیار ہو جاؤ۔ اب وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔"

"تو میں فون کرتا ہوں بکنگ کے لیے۔" رمیش یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور دروازہ

Akram Allahabadi

کھول کر باہر نکل گیا۔ یاد گیر اور صفیہ دونوں اٹھ کر دوسرے دروازے میں داخل ہو کر صفیہ کے کمرے میں آ گئے۔ لیکن جیسے ہی انھوں نے اندر قدم رکھا، یاد گیر کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کے سارے بدن میں کپکپی سی دوڑ گئی۔ وہ سفید روح جس نے اپنا چہرہ باریک سفید آنچل سے نصف چھپا رکھا تھا، اور جو سر سے پیر تک سفید کپڑے میں لپٹی تھی اس نیم تاریک سے کمرے میں ان کے سامنے موجود تھی۔ صفیہ کے منہ سے تو ڈر کے مارے چیخ نکل گئی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں سامنے کی طرف کوئی سیاہ سی چیز لیے ہوئے تھی۔

''تت تم... تم یہاں بھی۔''

''میں جہنم تک تمہارا پیچھا نہ چھوڑوں گی۔'' وہ پہلی بار اس سے مخاطب ہوئی۔

گھبراہٹ کی وجہ سے یاد گیر اس کے چہرے پر بھی نظر نہ ڈال سکا اور صفیہ تو اسے آگے بڑھتے دیکھ کر چکرا کر گر پڑی۔

''مم... میں نے.... میں نے کچھ نہیں کیا۔ مم میں... میں بے قصور ہوں۔''

''تت... تمھیں... اس نے... اس نے دم گھونٹ کر مارا تھا... اس نے...'' وہ بوکھلاہٹ میں بے ہوش صفیہ کی طرف اشارہ کر کے بولنے لگا۔ ذہنی طور پر وہ اس کی غیر متوقع موجودگی سے اس بری طرح خوف زدہ ہو گیا تھا کہ اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی اور یاد گیر ڈر کر پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم نے مجھے مارا تھا۔ میں تمھیں اپنے ساتھ لے جانے آئی ہوں۔'' وہ منمنی کی آواز میں بولی۔

''نہیں...'' یاد گیر زور سے چیخ اٹھا۔ ''میں نہیں جاؤں گا۔ میں نہیں جاؤں گا۔ مجھے معاف کر دو۔ خدا کے لیے معاف کر دو۔'' وہ گڑگڑانے لگا۔

'' گھٹنے ٹیک کر اپنے گناہوں کا اقرار کرو۔ شاید قدرت تمھیں معاف کر دے۔'' وہ گونجی ہوئی سی آواز میں بولی۔

Akram Allahabadi

''مم ... میں اقرار کرتا ہوں۔ میں اقرار کرتا ہوں۔ میں نے لالچ میں آ کر تمہارا خون کیا ہے۔ مجھے معاف کر دو۔ میں بڑا کمینہ آدمی ہوں۔''

وہ موت کو سر پر دیکھ کر گڑگڑانے لگا۔ جس پر وہ روح قہقہہ مار ہنس پڑی۔ اس کے قہقہے سے یاد گیر اور سٹپٹا گیا۔ مگر عین اسی وقت شاید ہاتھ کے جھٹکے سے یا ڈھیلا ہو کر سفید آنچل کا وہ حصہ جو اس روح کے چہرے کا پردہ بنا ہوا تھا، رخ پر سے پھسل گیا اور یاد گیر چونک پڑا۔ وہ تو کوئی اور ہی صورت تھی۔ یہ دیکھتے ہی وہ اک دم سنبھل گیا۔

''کون ہو تم۔'' وہ اب اس کی طرف جھپٹا۔ ''تم مجھے بے وقوف بنا رہی تھیں اب تک''

مگر اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچے کمرے کے روشن دان کی طرف سے اچانک ایک فیر ہوا اور وہ چیخ مار وہیں گر پڑا۔ گولی اس کی ٹانگ میں لگی تھی۔ دوسرے لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور اسرار ٹیکسی ڈرائیور کے لباس میں اندر گھس آیا۔ اس نے دوڑ کر سب سے پہلے یاد گیر کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔ کچھ دیر بعد ہی خان بھی پستول جیب میں ڈالتا ہوا اندر آ پہنچا۔ اس نے ایک ہاتھ سے سلیم کا کالر تھاما ہوا تھا۔ سلیم کے چہرے کا رنگ فق تھا۔ شیلا جو اب تک روح بنی ہوئی تھی اسے دیکھ کر اٹینشن ہو گئی۔

''شاباش، مِس شیلا۔ آپ نے اپنا رول کافی عمدگی سے ادا کیا۔'' خان نے اس کی تعریف کی۔

''لیکن وہ دوسری لڑکی شوبھا۔'' شیلا نے مؤدب لہجے میں پوچھا۔

''وہ اس سور کی بیوی ہے۔'' خان، سلیم کو آگے دھکیل کر بولا۔ اور یہ یاد گیر کا سالہ ہے۔ مسز یاد گیر کا بھائی۔ شوبھا، جس کا اصلی نام شاید کوئی اور ہے۔ قصور یہ ہے کہ اس نے بالے موٹی مرغی سمجھ کر...''

''موٹا مرغا کہیے... آپ پھر جنسی مغالطہ فرما رہے ہیں۔'' اچانک دروازے سے

بالے نے داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ارے تم یہاں کیسے پہنچے مردود۔" خان پلٹ کر بولا۔

"یہ لوگ ہمیں جو ہو والے مکان میں قید کر کے دوسرے ہی کمرے میں فرار کا پروگرام بنا رہے تھے اور ہم نے جب ہی سن لیا تھا کہ پہلے ان کو چاندیولی جانا ہے۔"

"مگر تم چھوٹے کیسے؟"

"کیا جہاں مرغا نہ ہوگا، وہاں سویرا ہی نہ ہوگا" بالے کا اشارہ اسرار کی طرف تھا۔

"صاحب۔۔دیکھیے۔" اسرار نے احتجاج کرنا چاہا۔

"میں مرغے کا ذکر کر رہا ہوں، باس۔ ویسے جو کانا ہو کھوج جائے۔"

"یہ اب مجھ پر حملہ ہونے لگا۔" رؤف بھی پیچھے سے آکر بول پڑا۔

"تم فرضی کانے ہو۔ زبردستی دشمنی مت مول لو۔"

"خیر یہ بکواس پھر کر لینا۔ پہلے ان کو لے چلو یہاں سے۔"

"ایک اور تحفہ بھی تو لایا ہوں آپ کے لیے۔" بالے نے کہا۔ اور پھر وہ بلند آواز میں بولا۔ "تشریف لائیے، مائی ڈارلنگ ہیروئن صاحبہ۔"

اس آواز کے ساتھ ہی مسز سلیم، یعنی شوبھا سہمی ہوئی سی اندر داخل ہوئی۔ اس کے دونوں ہاتھ ایک ریشمی ڈوری سے بندھے ہوئے تھے۔

"آپ چھوٹے چھوٹے قدموں سے باہر بھاگ رہی تھیں۔ میں نے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔"

"مگر میش کہاں ہے، صاحب؟" اسرار چونکا۔

"اسے میں نے باندھ کر پھینک دیا ہے کار میں۔" خان نے بتایا۔ اور پھر بھاری قدم رکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

"تم چھوٹے کیسے، بالے صاحب۔" اسرار نے پھر وہی سوال کیا۔

Akram Allahabadi

"اپنی محنت سے، بھائی حرام، آئی ایم ساری، بھائی رؤف نے میری رسی کاٹی اور میں نے ان کی۔" بالے نے بتایا۔

اسی وقت مسز یاد گیر کو بھی ہوش میں لے آیا گیا۔ وہ یہ منظر دیکھ کر اس بری طرح سٹ پٹا گئی کہ اس کے حلق سے آواز تک نہ نکل سکی۔ یاد گیر کا سر جھکا ہوا تھا۔

"باس، یہ ریکارڈ" لیڈی انسپکٹر شیلا نے وہ سیاہ سی چیز باہر آ کر خان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ ہی اپنی رپورٹ کے ساتھ پیش کیجیے گا۔ یہ کیس دراصل آپ کا اور سارجنٹ بالے کا ہے۔ میں نے آپ لوگوں کی تھوڑی سی مدد کی ہے، بس۔"

"تو آپ ہی تھیں وہ، ولا روزینی کی آدھی رات کی روح۔" بالے نے شیلا کو غور سے دیکھ کر کہا۔

"اگر اسے نفسیاتی طور پر اس طرح خوف زدہ نہ کیا جاتا تو وہ کبھی گھبرا کر نہ بھاگتا اور کوئی نہ جان سکتا کہ کس نے کس کو قتل کیا ہے۔ کون قتل ہوا ہے۔" خان بولا۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں؟" بالے اس کی کار تک آ کر بولا۔

"کہہ ڈالو۔" خان نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ ملزمین کو اسی شیورلیٹ کار میں بھر دیا گیا جسے اب اسرار ڈرائیو کرنے لگا تھا۔ رؤف نے ٹیکسی سنبھال لی۔ شیورلیٹ کو بیچ میں لے کر وہ واپس روانہ ہو گئے۔

"ولا روزینہ کے نئے چوکیدار آپ ہی تھے نا؟" چلتی کار میں بالے نے پوچھا۔

اور خان جواب میں مسکرا دیا۔ "صرف دو دن کے لیے اور وہ بھی رات کے اوقات میں تاکہ شیلا کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جائیں۔" خان نے بتایا۔

"لیکن آپ کو ان لوگوں کی فرار کی نیت کا پتا کیسے چلا؟"

"میں نے ان کی کار میں آٹو ریسیونگ کیموٹیکٹر لگوا دیا تھا۔ جس کی انھیں خبر بھی نہ

Akram Allahabadi

تھی۔لیکن گاڑی میں یہ لوگ جو بھی گفتگو کرتے تھے، وہ مجھ تک پہونچ جاتی تھی۔"

"آپ کی بارڈنکشن کی لائن ہی مختلف رہی۔" بالے حیرت سے بولا۔

"ہر قسم کے تجربے کرنے چاہئیں، برخوردار۔ ہمارے پاس مسز یادگیر کی ہم شکل ایک مفرور لڑکی کی گمشدگی کی رپورٹ پہلے سے موجود تھی۔ مسز یادگیر کی تصویر جو یشپال نے مجھے دی اسے دیکھتے ہی مجھے اس لڑکی کی تصویر کا خیال آگیا۔ میں نے دفتر میں فلمی اسٹار اکسٹرا سپلائروں کو بلا کر اس لڑکی کے بارے میں تحقیقات کی تو صرف اتنا معلوم ہوا کہ اس شکل کی لڑکی فلم کمپنیوں کے دفاتر کے چکر کاٹتی دیکھی گئی تھی۔ مگر اب کچھ عرصہ سے کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ شاید واپس چلی گئی ہوگی۔ چنانچہ جس دن تم یادگیر کے ساتھ ولا روزینہ یں رہنے کو گئے اسی دن یادگیر پر میں نے ایک نیا نفسیاتی تجربہ کیا۔ مس شیلا کو اس لڑکی کی روح بنا کر۔ اور یہ تجربہ پہلے ہی دن سے کامیاب رہا۔ جس سے یہ تو مجھے شک ہو گیا کہ اس لڑکی کی گمشدگی کا یادگیر سے کوئی تعلق ضرور ہے، مگر پھر مسز یادگیر کا زندہ ہونا ضروری تھا۔ یادگیر کو اس روح کے تصور سے اس قدر پریشان کر دیا گیا کہ وہ بھاگنے کی سوچنے لگا۔ اور ایسے ہی وقت مسز یادگیر کا پتا چلنا ممکن تھا۔ کیوں کہ جہاں کہیں بھی اسے چھپایا گیا تھا، بھاگتے وقت وہ ضرور ساتھ میں لی جاتی۔ مگر اس فرار میں یادگیر کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ پیسہ تھی، جو میں نے تمہارے ذریعے دور کرنی چاہی۔ مگر یشپال کے آدمی کی غلطی نے سارا معاملہ چوپٹ کر دیا۔ اور بعد کے حالات سامنے ہیں۔" خان نے بتایا۔

"تو کیا ان لوگوں نے اس بے چاری لڑکی کو مار کر مسز یادگیر کی جگہ دفنایا ہے؟"

"مسز یادگیر اور اس لڑکی کی شکل میں صرف ماتھے کے ایک داغ اور ناکوں کی ساخت کا فرق تھا۔ وہ بھی زیادہ نہیں۔ اور رمیش، جو تجربہ کار میک اپ مین ہے، اس نے یہ فرق بھی ذرا سی محنت سے دور کر دیا۔ البتہ اس کی موت کے اسباب مختلف تھے۔ وہ بے چاری محض فلمی کام ڈھونڈتے ڈھونڈتے ان کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔"

Akram Allahabadi

"اس کا تو ہارٹ فیل ہونا بتایا گیا تھا؟"

"اسے دم گھونٹ کر مارا گیا تھا۔ گردن سے اوپر کا حصہ شاید کپڑوں سے اس طرح لپیٹ دیا گیا ہوگا کہ ہوا یا سانس کا گزر بھی نہ ہو سکے۔ نہ زبان یا آنکھیں باہر نکل سکیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو... پوسٹ مارٹم کرنے والے دھوکہ نہ کھاتے۔" خان نے بتایا۔

"آپ نے کیا اس کی لاش کا معائنہ کیا؟"

"آج وہ بھی کرلیا جائے گا۔"

"تب ہی سوچا کرتا تھا کہ یہ چوہوں کی یخنی اور خود بخود بجنے والے ستار وغیرہ کا معاملہ کیا ہے۔" بالے نے گویا بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا۔

"اور تب ڈر کے مارے تم دس گز دور بھاگتے تھے۔"

"میں سچ مچ مس شیلا کو مسز یاوگیر کی روح سمجھ بیٹھا تھا۔" بالے شیلا کی طرف دیکھ کر معصوم صورت بنا کر بولا۔ "چلیے خس کم جہاں پاک۔" اس نے دونوں ہاتھ جھٹکے۔

"میں نے اس لیے اور بھی اس کیس میں تمہاری مدد کر دی کہ انشورنس کمپنی والے یقیناً اس خدمت پر تمھیں کوئی گراں قدر تحفہ دیں گے۔"

"مثلاً۔"

"کوئی بڑی رقم... اور اس بار تمھیں کسی نہ کسی کھونٹے سے ہی باندھ دیا جائے گا۔"

"مطلب؟" بالے چونکا۔

"آپ کی شادی...!" پیچھے سے لیڈی انسپکٹر شیلا ہنس کر بول اٹھی۔

بالے یہ سن کر صوفے سے نیچے گر پڑا اور آنکھیں بند کرلیں۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi